مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاہ حیدرآباد دکن کے پتے سے مل سکتی ہی،

معجزاتِ اسلام میں اسلام اور پیغمبر اسلام (صلعم) کے متعلق ایسی پیشینگوئیان درج کی گئی ہیں، جو مصنف کی تحقیق کے روسے مختلف مذاہب یہودی، عیسائیت، بدھ مت، زرتشت اور ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور نیز ان مذاہب کی ان کتابوں پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہی، کتاب محنت سے لکھی گئی ہی اور مطالعہ کے قابل ہی، اگرچہ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت ناقص ہی،

رسولِ کریم:- از مولوی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، ناشر مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، ۳۷۰ صفحے،

"رسولِ کریم" مدارس کے متوسط استعداد کے طلبہ کے لئے عربی کی درسی کتابوں دروس التاریخ، محی الدین خیاط اور نور الیقین، خضری و بعض دیگر کتب سیرت سے مرتب ہوئی ہی کتاب کی ترتیب و تبویب اچھی، طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا، اور زبان سادہ اور سلیس ہے، اور مدرسوں کے درجوں میں پڑھائے جانے کے لائق ہی،

مومن و غالب:- از جناب حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز بہسوانی ناشر دائرہ ادبیہ فیض آباد حجم چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحے لکھائی چھپائی ناقص قیمت ۸ر

"مومن و غالب" میں اردو کے ان دونوں شعراء کا ایک دوسرے سے موازنہ کر کے غالب پر مومن کو ترجیح دی گئی ہے، اور ناقد نے بتایا ہی کہ مرزا غالب کا اصل سرمایۂ ناز اون کی فارسی شاعری ہے، اور اسی لحاظ سے وہ صاحب کمال سمجھے جاتے تھے ابتدا میں جناب شاکر حسین صاحب نکہت کا مختصر مقدمہ ہے، جس میں مرزا غالب پر سخت لب و لہجہ میں تنقید ہی،

محنت:- از جناب محمد عبد الغفار صاحب مدہولی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے، قیمت ۴ر

یہ ایک سبق آموز ڈرامہ ہے، جو بچوں کے لئے لکھا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے، کہ انسان محنت ہی سے روٹی کما سکتا ہے،

"س"

جلد ۳۱ | ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

آج دنیا مین ہر طرف ترقی ترقی کی پکار ہے، مسلمان بھی ہر ملک مین اسی کی رٹ لگا رہے ہین، جہانتک لفظ کا تعلق ہے کسی کو اس سے اختلاف نہین، لیکن جب اس کے معنی کی توضیح چاہی جاتی ہے تو دفعۃً ہر طرف سے ذہنی بغاوتون کا مظاہرہ ہو جاتا ہے، کوئی صاحب اس سے یورپین طرز تمدن و طرز معاشرت مراد لیتے ہین، کوئی فرقہ اس سے دولت و تمول کا مفہوم کوئی نئی تعلیم اور ڈگریون کی کثرت کو اسکا مرادف جانتا ہے، کوئی سیاسی سرگرمیون کو تنہا ترقی کہکر پکارتا ہے، کوئی اس سے صنعت و حرفت و تجارت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کوئی "پرانے خیال کا آدمی" اس سے قرونِ اولی جیسی اخلاقی و روحانی حالت کی تعبیر کرنا چاہتا ہے، اور بہت سے نوجوانون کے نزدیک مستورات کی عریانی، اور ڈنر کے بعد محفل رقص و سرود کا نام اور یورپین تہذیب کے دیگر معائب کے مجموعہ کا نام ترقی ہے، غرض،

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ترقی صرف اُس روح کا نام ہے جو قومون کو زندہ کر کے اُن کے ہر رگ و ریشہ مین جد و جہد اور سعی و عمل کی تڑپ پیدا کر دیتی ہے، وہ تمام قوم مین کسی متفقہ غرض کے حصول کی خاطر ہر قسم کی تکلیف و مشقت کی برداشت کی قوت پیدا کرتی ہے، ترقی کسی خاص مادی مظہر کا نام نہین، بلکہ یہ وہ تجلی ہے کہ جب کسی قوم کے افراد مین کوندجاتی ہے، تو ہر ایک کے دست و بازو مین اپنے فرائض کے بجالانے کی استعداد پیدا کر دیتی ہے، اور قوم کے تمام قویٰ کو اپنے نشو و نما اور تکمیل کے لیے بیدار بنا دیتی ہے، اور پوری قوم اپنے افراد کی مختلف استعدادون اور قوتون کی مجموعی کوششون سے زندگی اور عمل کے نئے قالب مین ڈھل جاتی ہے،

کسی کارخانہ مین ہم کوئی عظیم الشان انجن دیکھتے ہین جسکا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ مختلف ضروری کام انجام دیرہا ہے دفعۃً وہ انجن بگڑ جاتا ہے، اب اناڑیون کا ایک گروہ اسکی مرمت اور اصلاح کے درپے ہے، کسی نے ایک پرزہ کو کھینچا، کسی نے

دے پرزہ کو صاف کیا، کوئی کمین کا تسمہ پکڑ کر کھینچتا ہے، کو... ن کسی اور پرزہ کو بے قاعدہ حرکت دیدینا چاہتا ہے، اور ہر ایک اپنے کام کو اپنی اصطلاح مین اصلاح و مرمت کہتا ہے... ے، مگر کیا یہ بگڑا ہوا انجن اپنی اصلی قوت اور طاقت کے خزانہ کے بغیر صرف ظاہری چمک دمک، اور کھینچ کھانچ سے چل... ں سکتا ہے؟

ہماری قومی ترقی کا بھی یہی حال ہے، دنیا مین... ن یہودیون نے، اور ہندوستان مین پارسیون نے یورپین تہذیب و تمدن کے ہر اچھے برے نمونہ کا چربہ اتارا، اور آج جو کچھ ہمارے نوجوان چاہتے ہین وہ سب کچھ انکے مردون اور عورتون نے انجام دیا، مگر کیا ترقی کے بلند آشیانہ ہما کو وہ ان تدبیرون سے اپنے جال مین پھنسا سکے؟ وہ اب بھی وہی ہین جو پہلے تھے، دو ستو انظار کا نام ترقی نہین، ان مظاہر کے اصل روح و مصدر کا نام ترقی ہے، اب بتائیے کہ مسلمان قوم کی روح و مصدر کونسی قوت بن سکتی ہے؟ اسی کے جواب سے یہ لانیحل معما حل ہو سکتا ہے،

ہر قوم کی تخلیق خاص قسم کے "معنویات" سے ہوئی ہے، غور کرنا چاہئے کہ مسلمان قوم کے معنویات کیا ہین، کیا بھارت ماتا کی محبت، کیا گائے کی تقدیس، کیا دولت کی چاہ، کیا جمشید و فریدون، اور رام و کرشن کی عقیدت، کیا گنگا اور جمنا اور نیل و فرات کی پرستش، نہین ان مین سے کوئی چیز نہین، بلکہ اُن سے مافوق، ایک واحد اعلیٰ برتر مقدس قادر علی الاطلاق ہستی کی عقیدت، اور ایک عالمگیر انسانی برادری کی مساوات، اور اس تعلیم کے تمام معلمین اور خصوصاً آخری معلم علیہم الصلوٰۃ کی محبت، اور انکی تعلیم پر عمل کا جذبہ اسلامی قوم کے معنویات ہین، اور انھین کا جوش و خروش ہمارے انجن کی اصلی طاقت اور قوت ہے، اب اگر ہم اسکو چھوڑ کر کسی اور طاقت سے زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہین، تو ضرور ہے کہ پہلے ان معنویات کو مٹا کر کوئی اور مقصد حیات اس کے سامنے رکھین، اور اس کو کسی اور قوم کے قالب مین بدل دین،

ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ مسلمان لڑکیون کے واحد کالج (علی گڈہ) مین "قاضی جونپور" کا ڈراما کھیلا گیا، شکایت اسکی نہین ہے کہ ڈراما کیون کھیلا گیا، یہ تو ایک جزئی بات ہے، اصل شکایت جسکی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان لڑکیون کے سامنے کس زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرتے ہین، اور کیا بننے کی ان کو ترغیب دے رہے ہین، اگر ہماری لڑکیان بہترین ایکٹریس، بہترین نواز اور بہترین موسیقی دان بنجائین تو آیا ہم نے تمدن کے محاسن کی نقالی کی، یا اس کے معائب کی، عیش و نشاط اور سرور و شادمانی

ترقی کی علامت نہین، انحطاط کی ہے، آیئے اسلامی ہی تاریخ کی مثال دین، ہندوستان کے اسلامی دور ترقی مین
بابر وہمایون کے عہد مین یہ منظر آپ کو نظر آتا ہے، یا محمد شاہ رنگیلے، اور واجد علیشاہ جانعالم، اور عبداللہ تاناشاہ کے در
یہ تماشے دکھائی دیتے ہین، پھر آپ کیا بننا چاہتے ہین، اور کیا بنانا چاہتے ہین، جو ہاتھ ابھی تیغ و تبر، اور تیر و تفنگ کے
انکو رباب و بربط، اور ستار اور پیانو کا عادی بنانا، قوم کو موت و ہلاکت کا زہر ہلاہل پلانا ہے، کسی دشوار گذار سفر
بستر راحت پر آرام کی کوشش کرنا، گناہ بے لذت کا ارتکاب ہے،

آیندہ معارف مین ایک نہایت اہم، دلچسپ اور مفید مضمون استاذ العلماء شائع ہوگا، اور جو ملک کے نامور ادیب
وصاحب قلم نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کے زور قلم کا نتیجہ ہے، کہنے کو تو یہ اس صدی کے ایک فاضل
عالم (مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم) کے سوانح حیات ہین جنکی زندگی سے نصف صدی تک ہندوستان مین علوم و فن کی
گرم بازاری رہی، لیکن درحقیقت یہ ہماری پچھلی علمی و تعلیمی زندگی کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے، جسمین ہماری گذشتہ علمی تہذیب
اور تعلیمی کیفیت کی ہر تصویر پوری صفائی کیساتھ نظر آئیگی، اور معلوم ہوگا کہ ہمارے عہد گذشتہ مین کیونکر ایک واحد شخصیت پوری یونیورسٹی کا کام

ہمارے صوبہ مین بلکہ پورے ہندوستان مین ریاست رامپور کا شاہی کتب خانہ اپنے نوادر کی کثرت، اور قلمی کتابون کی
کے لحاظ سے بہت بڑی تاریخی دولت ہے، پچھلے سال اسکے لائق و امین ناظم حافظ احمد علی خانصاحب شوق کے پنشن لے لینے سے باہر
لوگون کو کتبخانہ کے لائق نگران کار کی علیحدگی کا افسوس تھا، مگر اب یہ دیکھکر بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ خود حضور نواب صاحب رامپور کو
نہیج ریاست کے اس قیمتی ہیرے کا بیحد خیال ہے، بعض لائق نگرانون کا انتخاب ہوا ہے، کتبخانہ کی جگہ تنگ تھی اب سرکار عال
اس کے لیے ایک نہایت عالیشان محل عطا فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ کتبخانہ کے شایان شان فرنیچر، الماریان اور سامان فراہم کیے
جائین مولوی سید ابو محمد صاحب ریونیو منسٹر جو خود صاحب علم ہین، وہ کتبخانہ کے افسر اعلیٰ منتخب ہوئے ہین، اور سنا ہے کہ موصوف
کتبخانہ کی ترقی مین پوری دلچسپی لیتے ہین، چنانچہ کتبخانہ کی عربی کتابون کی ایک دستی فہرست (ہینڈ لسٹ) تیار کرنے کا حکم انھون
نے دیا ہے، واقعی اس کتبخانہ کے لیے اب تک یہ بڑی کمی ہے کہ اس کا جدید طریق کا کٹیلاگ اب تک مرتب نہین کیا جا سکا
ہے، امید ہے کہ ادھر بھی توجہ مبذول ہوگی،

مقالات

ترجمان القرآن

اور

"نجات وسعادت کی راہ"

از

سید ریاست علی ندوی،

آج سے ربع صدی پیشتر مولانا شبلی مرحوم نے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت محسوس فرمائی، اور متکلمانہ مسائل کو جدید علوم اور ذہن انسانی کے نئے افکار سے مطابقت دیکر دو جلدون مین پیش کیا، لیکن زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے، مباحث کے محور بدلتے جاتے ہین، اور اسی لحاظ سے مسلمانون کے افکار و خیالات بھی نئے قالب اختیار کرتے جاتے ہین،

جس زمانہ مین مولینا شبلی نے الکلام لکھی اوس عہد مین متکلمانہ مسائل پر جو شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے وہ مسلمانون کے حلقے کے بجائے غیر مسلمون کے دائرہ سے اوٹھتے تھے، مسلمانون کے درمیان جو مسائل و مباحث دائر تھے وہ فقہ کے مختلف مسائل رفع یدین، قرأۃ خلف الامام، اور ما اہل لغیر اللہ بہ کی تفسیر و تحقیق تھے، اور اگر متکلمانہ مسائل تھے، تو وہ بھی اسلامی علم کلام ہی سے پیدا شدہ مسائل، رویت باری تعالیٰ، امکان کذب باری تعالیٰ، اور علم غیب باری تعالیٰ وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ربع صدی مین جدید تعلیم اور روشنی نے ان مسائل کی جگہ دوسرے مسائل نے لے لی، مثلاً اب یہ مسائل پیدا ہوگئے ہین کیا ایک فاسق و فاجر مسلم سے ایک نیکوکار غیر مسلم بہتر نہین، کیا نجات کے لئے عمل شرط ہے، کیا نجات منحصر ہے صرف دین اسلام کے متبعین کے لئے، احادیث نبوی اوامر و منہیات شرعی کے ثبوت مین دخیل ہین، قرآن مین نمازون کا بیان کسطرح ہے، کیا روزون کا مہینہ بھر رکھنا ضروری ہے، وغیرہ

موجودہ دور کے بھی مسائل ہیں جنمیں سے بعض افکار کی جھلک ایک مخلص سائل کو مولانا ابوالکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" میں بھی نظر آئی، اور اونھوں نے مستفسرانہ حیثیت سے اپنے اعتراضات قلمبند کرکے ہمارے پاس بھیجے، جو جنوری ۱۹۳۲ء کے معارف میں پیش کئے جا چکے ہیں، لیکن جیسا کہ اوسی میں اشارہ کر دیا گیا تھا کہ سائل کے شکوک کسی قدر غلط فہمیوں پر بھی مبنی ہیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ترجمان القرآن میں بعض مقامات پر مباحث کی تشنگی باقی رہ گئی ہے، اور یا تو مصنف کو جو کچھ کہنا منظور تھا، اوسکو تلمیحات کے پردہ میں اسقدر چھپایا کہ حقیقت مستور ہو گئی، یا محض اسلوب بیان کے اجمال نے شکوک وشبہات کی گنجایش باقی رکھ دی، لیکن یہ مسائل ایسے نہیں جو نظر انداز کر دئے جائیں، اسلئے مناسب ہے کہ ان پر صفائی سے گفتگو کر لیجائے، کہ ابھی ترجمان القرآن کی دوسری جلد زیر ترتیب ہے، مصنف کو ان مسائل پر دوبارہ غور کرنے یا اجمال کو تفصیل اور ابہام کو تصریح سے بدلدینے کا موقع مل جائے،

سائل نے اپنے مقالہ میں دو مشکلیں پیش کی ہیں،

۱- یہ کہ مصنف نے خدا کی ہستی کے اعتقاد کو فطرت انسانی کا ایک وجدانی احساس، اور انبیائے کرام کی تعلیمات کو نوع انسانی کے تدریجی سلسلۂ ارتقار کی کڑیاں بتایا ہے، کہ جیسے جیسے ذہن انسانی ترقی کرتا گیا، الوہیت کے تصور میں بھی بتدریج ترقی ہوتی گئی،

۲- دوسری یہ کہ مصنف کے نزدیک تمام مذاہب اپنے اپنے طریقے پر سچے ہیں، اور اصل دین "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کی تلقین ہے، اور شرائع ومنہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیاں ہو گئی ہیں، وہ اس تعلیم کے منافی ہیں، "اسلام" نام ہے محض اوس عقیدہ کو قبول کر لینے کا،

مؤخر الذکر مسئلہ سے دو مسئلے اور پیدا ہوئے جو نتیجۃً ایک ہی ہیں،

الف- اوس "اسلام" پر ایمان لانا ضروری نہیں، جسے عرف عام میں "دین محمدی" کہتے ہیں، یعنی کہ اصل دین میں رسالتِ محمدی کا اقرار ضروری نہیں،

ب- جو بھی "خدا پرست" اور "نیک عمل" ہے، وہ ہر طرح نجات پائے گا، خواہ وہ رسالت محمدی کا اقرار کرے یا نہ کرے، اور عام ازیں کہ وہ اسلامی عبادات ومباحات ومنہیات شرعیہ کا پابند ہو یا نہ ہو،

(۱)

ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں انبیار کی تعلیم میں جو تدریجی ترقی بتائی گئی ہے، وہ توحید ربانی کی تعلیم میں نہیں بلکہ وحدت الٰہی کی تعلیم کے بعد صفات الٰہی کی تعلیم میں ہے، سائل نے اس موقع پر جو تین آیتیں لقد بعثنا فی کل امۃ رسولا الآیۃ، وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیہ، الآیۃ، اور انا اوحینا الیك كما اوحینا، الآیۃ اپنے شبہہ کی تائید میں پیش کی ہیں، اون میں سے آخری آیت کا تعلق نہ توحید الٰہی سے ہے اور نہ صفات الٰہیہ سے، بلکہ اوس کا تعلق محض وحی ونبوت کے ثبوت سے ہے، اور باقی پہلی دونوں میں توحید الٰہی کی تعلیم ہے، اور یہی کہا گیا ہے کہ تمام رسولوں اور نبیوں اور آنحضرت صلعم کی طرف بھی یہی پیغام ربانی آیا کہ پرستش کے قابل ایک ہی ذات واحد ہے، جس کا نام اللہ ہے،

لیکن توحید الٰہی اور چیز ہے، اور اوس ذات واحد یعنی اللہ کا تصور دوسری چیز ہے، مسلمان اپنے متکلمانہ عقائد کے لحاظ سے بکثرت فرقوں میں تقسیم ہیں، ان تمام فرقوں میں توحید الٰہی سب کا بنیادی عقیدہ ہے، مگر ذات باری کے تصور اور صفات الٰہیہ میں اون کے مختلف نظریے پیدا ہوئے، اس لئے اگر توحید الٰہی کا ثبوت وعدم، صفات الٰہیہ پر رکھا جائے تو اسلام کے مختلف فرقوں نے صفات الٰہیہ کی تعبیر میں جو مختلف راہیں اختیار کی ہیں، اونھیں کیا کہا جائے گا، "خدا پرستی" اور "توحید" ایک چیز نہیں ہیں، ہر "موحد" کا خدا پرست ہونا ضرور ہے لیکن ہر خدا پرست کا "موحد" ہونا لازم نہیں،

اسی لئے فطرت انسانی میں ذات خدا کے تصور کے وجدانی احساس کے باوجود مذہب کی ضرورت باقی رہجاتی ہے، کہ انسانی فطرت ما فوق الفطرت ہستی کو از خود تسلیم کرتی آئی ہے لیکن مذہب کا کام یہ رہا ہے، کہ اوس ما فوق الفطرت ہستی کو یگانہ بے ہمتا بتائے اور بہت سی ہستیوں کا اعتقاد رکھنے کے بجائے صرف ایک ہی ہستی کی ضرورت جتلائے، ترجمان القرآن کی ذیل کی عبارتیں وہ ہیں جن سے اس مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے، ص ۱۱۰ میں ہے:-

قرآن سے پہلے فکر انسانی کی استعداد اس درجہ بلند نہیں ہوئی تھی، کہ توحید فی الصفات کی نزاکتوں اور بلندیوں کی متحمل ہو سکتی اسلئے مذاہب نے تمام تر زور توحید فی الذات ہی پر دیا، توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں چھوڑ دی،

اسی طرح ایک موقع پر ہے:-

پچھلے دوروں میں نوعِ انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شایستہ نہیں ہوئی تھی، کہ تمثیلوں کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کر سکتی، لامحالہ پیروان تعلیم بھی تمام تر تشبیہ و مجاز پر مبنی ہوتا تھا، لیکن جب تعلیم اپنے درجہ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلوں کی ضرورت باقی نہ رہی، ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہِ راست اپنا جلوہ دکھلا دے۔ (صفحہ ۱۱۳)

(۲)

دوسرا مسئلہ یقیناً نہایت اہم ہے، اور یہیں ایک حد تک مصنف پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مصنف نے خدا پرستی اور نیک عملی پر ایک طویل بحث کی ہے، اور بار بار یہی دکھایا ہے کہ اسلام نے تحزب و تشیع اور گروہ بندی سے روکا، انبیاء و رسل میں بعض کو ماننے اور بعض کا انکار کرنے سے باز رکھا، اور بلا تفریق قوم و ملک سب کو ایک ہی عقیدہ کے قبول کرنے کی دعوت دی، یہی وہ عقیدہ ہے، جو ازل سے انسانوں کے سامنے پیش ہوتا رہا، اور اسی کی تعلیم تمام مذاہب میں دی گئی،

بلاشبہہ اسلام یعنی دینِ محمدی کی اصل حقیقت اور نبوتِ محمدی کی اصل دعوت، اس کے سوا کچھ نہیں، اور یہی اس کا منشا ہے کہ خدا پرستی سارے عالم میں پھیل جائے اور ساری انسانی آبادی نیک عملیوں سے معمور ہو جائے اور دنیا کے تمام رسولوں اور پیغمبروں کو سچا اور راست باز تسلیم کیا جائے،

لیکن اسلام کی اس تعلیم کو بظاہر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے پیش کیا جا سکتا ہے،

اولاً یہ کہ اسلام یہود و نصاریٰ سے خطاب کرنے کے علاوہ کہ تحزب و تشیع سے کنارہ کش ہو کر دینِ فطرت یعنی دینِ حنیف ملتِ ابراہیم کے سامنے آکر جھک جاؤ، اپنے متبعین کو بھی یہ گوش گذار کر دیتا ہے کہ اس راہ میں نسل و قومیت اور فلاں بن فلاں کی شنوائی نہیں، ایمان و عمل کا ذخیرہ ساتھ لاؤ، نجات و سعادت کے دروازے کھلے پاؤ گے،

دوسرا نقطۂ نظر اس روش سے جداگانہ ہے اور وہ محض مذاہب کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط پروپگنڈے کا امن بچانے کیلئے ہے، یعنی کہ اسلام کو گروہ بندیوں سے کوئی علاقہ نہیں، وہ تمام مذاہب کی سچائیوں کا ماننے والا ہے، اور ان سچائیوں سے اصل مقصود تو وہ ہوں جنھیں موجودہ مذاہب نے کھو دیا ہے، مگر ان کا اطلاق مذاہب کی موجودہ گمراہیوں پر بھی ہونے دیا جائے اور اس غلط اطلاق کی جانب سے چشم پوشی کر لی جائے، اور ہر صحیح العقیدہ انسان پر فلاح و سعادت کا دروازہ کھولنے والا ہے، خواہ

انسان جس طریق اور جس مذہب کا پابند ہو جس طور پر عبادت کرتا ہو جن مباحات سے بے پروا اور جن منہیات سے ملوث ہو، یہ محض شکل و طریق کا اختلاف ہے، نجات کے لئے یہ محض بس ہے، کہ وہ خدائے واحد کا عقیدہ رکھتا ہے، اور انسانی آبادیوں میں ایک روادار اور اخلاقی محاسن سے ایک متصف انسان ہے،

یہ اتفاقی بات ہے کہ سائل کی ترجمان القرآن کے مطالعہ سے اسی دوسرے مفہوم کی طرف رہنمائی ہوئی، لیکن ہم نے ترجمان القرآن دیکھی، ہمیں بظاہر اس میں وہی پہلا نقطۂ نظر زیادہ نمایاں نظر آیا، تاہم ہم سائل کو بھی اس دوسرے مفہوم کے سمجھنے میں مورد الزام نہیں قرار دے سکتے کہ اس کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری مصنف کے طرز بیان پر بھی عاید ہوتی ہے، بہرحال پہلے ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں سے یہی دیکھنا ہے، کہ مصنف کا اصل مقصود بظاہر کیا نظر آتا ہے،

اس سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جب مصنف نے نجات و سعادت کو خدا پرستی اور نیک عملی پر موقوف کیا ہے تو اس کے نزدیک نفس "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کیا ہے، چنانچہ ترجمان القرآن میں ایک موقع پر خدا پرستی اور نیک عملی کو قرآن مجید کی ذیل کی ایک آیت سے بایں طور سمجھایا گیا ہے، :-

"پھر اسی سورہ میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے، کہ اصل دین کیا ہے اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے، وہ کہتا ہے دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے، کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف، اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے، پھر تفصیل سے تبلایا ہے، کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں"

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق	اور دیکھو، نیکی یہ نہیں کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا
والمغرب، ولکن البر من آمن باللہ	منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح
والیوم الآخر والملئکۃ والکتب	کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی)
والنبین، واتی المال علی حبہ ذوی القربی	نیکی کی راہ تو اس کی راہ ہے، جو اللہ پر آخرت کے دن پر

والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین
وفی الرقاب۔ واقام الصلوٰۃ واتی
الزکوٰۃ۔ والموفون بعھدھم اذا
عاھدوا والصٰبرین فی الباساء
وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا
واولٰئک ھم المتقون (۲ : ۱۷۷)

ملائکہ پر اللہ کی تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاتا ہو
اپنا مال محبوب رشتہ داروں یتیموں مسکینوں، مسافروں اور
سائلوں کی راہ میں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ
کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہو، قول و قرار
کا پکا ہوتا ہو، تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا
وقت ہر حال میں صابر اور ثابت قدم رہتا ہے، اسو یاد رکھو
ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی
ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں،

"جس کتاب پر تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہی، اگر دنیا اوسکی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی، تو پھر کونسی بات ہی جو سمجھ سکتی ہے،، (ص ۱۳۵، ۱۳۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک دین کی اصل حقیقت کیا ہے یعنی خدا پرستی و نیک عملی میں اور ملائکہ کتب اور انبیا پر ایمان لانا نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا اور دوسرے نیک کام کرنا ضروری ہیں اس لئے سائل کا یہ خیال صحیح نہیں کہ ترجمان القرآن کے نزدیک نجات کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ

"ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، کتب الٰہی انبیائے کرام اور آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے، جس شکل میں قرآن نے پیش کیا ہو اور نبی اکرم نے کرکے دکھایا"

اس لئے ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں تحزب تشیع اور گروہ بندی کے خلاف اس لئے آواز اوٹھائی گئی ہے اون لوگون کو چوکایا جائے جو عمل کی پاداش سے بے خوف ہو کر محض گروہ بندی اور ایک مذہب میں محض داخل ہو جانے پر تکیہ کرکے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ حقیقت کتاب مذکور کی ذیل کی عبارت سے واضح ہوتی ہو:۔

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی (جسکی تفصیل اوپر گذر چکی) وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا کوئی

انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے، اور اوس کے لئے نجات ہے، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا،...... جو اسمیں داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اوسی کے لئے نجات ہی جو اس سے باہر ہے، اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں اور نجات سے قطعاً محروم ہے، باقی رہا عمل تو اس کا قانون یک قلم غیر موثر ہو گیا ہو، ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو لیکن اگر یہودیت کی نسلی گروہ بندی یا مسیحیت کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں تو اوسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن ایک سخت سے سخت بدعمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا، اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہوگا....." (ص ۱۴۱)

اور اسی طرح اس بحث کے خاتمہ میں ہے،:۔

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے، دین الٰہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جو اوسکے عمل کی کمائی ہو، یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں، یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہو، یا کسی پچھلی قوم سے رشتہ قدامت رکھتا ہے، انجات وسعادت کے لئے کچھ سودمند نہیں،

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت
ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا
یعملون (۲ : ۱۲۸)

یہ ایک امت تھی، جو گذر چکی، اسکے لئے وہ تھا جو اوس نے اپنے عمل سے کر لیا اور تمھارے لئے وہ ہو جو تم اپنے عمل سے کماؤ، ان کے کاموں کے لئے تم سے باز پرس نہ ہو (ص ۱۴۲)

اس اقتباس اور نیز ترجمان القرآن کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو مباحث پھیلے ہوئے ہیں، انھیں بنظر امعان دیکھ لینے کے بعد اصولاً یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہئے، کہ مصنف کے نزدیک کسی انسان کا اس اسلام پر بھی ایمان لانا ضروری ہو، کہ نہیں، جسے عرف عام میں دین محمدی کہتے ہیں، کیونکہ ترجمان القرآن کی عبارتوں اور اسمیں پیش کی ہوئی آیتوں سے واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، لیکن پھر اس کے باوجود اس سوال کے چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پڑ جاتی ہے، کہ باوجودیکہ یہ اس قدر واضح حقیقت تھی لیکن ساری تفسیر میں کہیں پر بھی اس کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا گیا، اور تفسیر کا جو اسلوب بیان ہے اور ایک آدھ

جگہ طرز ادا میں جو عموم ہے، اس سے اشتباہ ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے ذہنی رجحانات شاید اسی طرف مائل ہوں کہ ایک مومن کے

و یا کباز انسان کے لئے رسالت محمدی کا اقرار اور دین محمدی کا قبول کرنا کوئی امر ضروری نہیں، اسلئے مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر ترجمان

القرآن ہی کے بیانات کی روشنی میں نظر ڈالیں،

ترجمان القرآن میں "تفریق بین الرسل" کو اکثر جگہ موجب کفر قرار دیا گیا ہے، اور ص ۱۵۰، ۱۵۱ وغیرہ میں متعدد ایسی آیتیں

پیش کی ہیں جن میں تفریق بین الرسل سے رد کا گیا ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان کسی رسول کی تکذیب

کرتا یا کر سکتا ہے، اس لئے موجودہ دور میں اس بیان کے مخاطب وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو محمد صلعم کی رسالت کا انکار کرتے

ہیں چنانچہ ص ۱۵۲ میں ہے :-

"چنانچہ اوس نے جا بجا تفریق بین الرسل کی راہ کو "انکار" کی راہ قرار دیا ہے، اور "ایمان" کی راہ یہ تبلائی ہے، کہ بلا تفریق

سب کی تصدیق کیجائے، وہ کہتا ہے، یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں تیسری نہیں ہو سکتی "ایمان" کی راہ یہ ہے کہ سب

کو مانو "انکار" کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو، یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے

انکار کا ہے،

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا، اولٰئک هم الکافرون حقًا، واعتدنا للکفرین عذابا مهینا والذین آمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منهم اولٰئک

جو لوگ اللہ اور اوس کے پیغمبر سے برگشتہ ہیں اور چاہتے ہیں اللہ اور اوس کے رسولوں میں تفرقہ کریں (یعنی کسی کو خدا کا رسول مانیں کسی کو نہ مانیں)، اور کہتے ہیں ان میں سے بعض کو ہم مانتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور پھر اس طرح چاہتے ہیں، کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کر لیں تو یقین کر لو یہی لوگ ہیں کہ اون کے کفر میں کوئی شک نہیں اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے تو اون کے لئے رسوا کن عذاب تیار ہے، لیکن جو لوگ اللہ اور اوس کے تمام پیغمبروں

سوف یؤتیهم اجورهم وکان اللہ غفورًا رحیمًا.

پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کیا، (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلا شبہ یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائیگا، اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے،"

کیا "الرسل" تمام پیغمبروں" میں محمد رسول اللہ (صلعم) داخل نہیں اور کیا انکا انکار "تفریق بین الرسل" نہ ہوگا، اور معلوم ہو چکا

کہ تفریق بین الرسل" انکار "یعنی "کفر" کی راہ ہے، جو ایمان کے مقابل و مخالف ہے، اس لئے ایسا شخص اس اقتباس کے رو سے بھی گمراہ

غیر مومن ہوگا، کہ "کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے انکار کا ہے"،

اسمیں شبہ نہیں کہ قرآن بار بار اس حقیقت کو دہراتا ہے، کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں، یہ محض ملت ابراہیم کا احیاء ہے اور

ملت ابراہیمی کے بعد جسقدر فرقے اور مذاہب پیدا ہو گئے ہیں، اون کی ضرورت نہیں اب کوئی نہ یہودی رہا، نہ نصرانی، کوئی موسوی

رہا نہ عیسائی، اسی طرح کسی کو "محمدی" ہو کر رہنے کا بھی حق نہیں، اسلام نام ہے ملت ابراہیم کا، محمد رسول اللہ صلعم جنکی بشارت اپنے اپنے

زمانوں میں تمام انبیاء دیتے آئے اب مبعوث ہو چکے، وہ ملت ابراہیمی کا احیاء کرتے ہیں، اب یہی دین ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین تھا

اور اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی لیکن اس حقیقت کو اہل مذاہب فراموش کرتے رہے، اور اب قرآن کے ذریعہ وہی دائمی حقیقت پھر

دنیا میں نازل کی گئی، اور حق اسی میں منحصر ہے، اسمیں بھی شبہ نہیں کہ مشترک سچائیاں تمام مذاہب یہود و نصاریٰ وغیرہ میں موجود

تھیں، لیکن زمانہ کی امتداد سے وہ سچائیاں گم ہو چکی ہیں، اس لئے اب کوئی بھی دوسرا دین قائم نہیں جتنی سچائیاں تھیں وہ سب کی سب اسلام

میں اکٹھی کر دی گئیں، اب اسی کی پیروی میں نجات اور سعادت کی راہ ہے، اسی مفہوم کو ترجمان القرآن میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے

"سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر جتھا ایک ہی

طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے، تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو، کہ

فی الحقیقت سچائی کہاں ہے؟ قرآن کہتا ہے، سچائی اصلاً سب کے پاس ہے، مگر عملاً سب نے کھو دی ہے، سب کو

ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی، (ص ۱۳۲)"

اور پھر دوسری جگہ اسی کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:-

"یہ جو قرآن چاہتا اس بات پر زور دیتا ہے، کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جھٹلانے والا نہیں ہے، اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم (۲: ۳۸) اوس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور دینا ہے یعنی جب میری تعلیم تمھارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہیں کرتی، اور نہ اون سے تمھیں منحرف کرانا چاہتی ہے بلکہ سرتاسر اونکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہے کیوں تم میرے خلاف اعلان جنگ کردو" (ص ۱۵۵)

اب چونکہ دوسرے مذاہب کی تمام گمشدہ سچائیاں اسی قرآن میں مل سکتی ہیں، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری قرار پایا، ورنہ گمشدہ سچائیاں کہیں ہاتھ نہ آئیں گی، اور انسان اس کے بغیر گم گشتہ راہ رہیگا، چنانچہ مصنف نے "الاسلام" کی تفسیر کا خاتمہ اس آیت پر کیا ہے،

اور دیکھو یہ میری راہ ہے، بالکل سیدھی راہ، پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑجاؤ، وہ تمھیں خدا کی راہ سے ہٹاکر جدا جدا کردیں گی، یہی بات ہے جس کا خدا تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم (نافرمانی) بچو، (ص ۱۵۹)	وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون۔ (۶: ۱۵۵)

یہیں سے آشکارا ہوجاتا ہے، کہ دین محمدی ہی کا وہ راستہ ہے جس نے تمام راستوں کو سمیٹ کر ایک شاہراہ عام تیار کردی، اب تمام راستے (السبل) بند ہوچکے ہیں، اب حق پرست کا فرض ہے کہ اسی شاہراہ عام پر گامزن ہو، (فاتبعوہ) اور تمام چھوٹے چھوٹے راستے مسدود ہوجائیں، اور اون پر چلنا موقوف ہوجائے (ولا تتبعوا السبل) ورنہ الاسلام تک پہنچانے والا طریقہ تم سے چھوٹ جائیگا اور خدا پرستی کا جذبہ تمھارے دلوں میں پیدا نہ ہوسکیگا، کہ اس صراط محمدی (صراطی) کے بجز تمام راستے تمھیں راہ خدا سے بھٹکا دیں گے

(فتفرق بکم عن سبیلہ)

چنانچہ پوری بحث کے خاتمہ پر اسی آیت کو پیش کرکے ذیل کی تفسیر لکھی گئی ہے:-

"چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے جب صراط مستقیم کی اوس تفسیر پر نظر ڈالی جائے، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یوں سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے، بالکل سیدھا، اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنالئے گئے ہیں، اور ان میں سے کوئی راستہ نہیں جسکی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو، پھر یہ آیت پڑھی، وان ھذا صراطی مستقیما (الی آخرہ)

اس سے معلوم ہوا، تمام ادھر ادھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے "سبل متفرقہ" ہیں، جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کردیتے ہیں، اور قرآن کی ایک سیدھی راہ صراط مستقیم ہے، وہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروان منزل کو ایک ہی شاہراہ عام پر جمع کردیتی ہے" (ص ۱۶۷)

یہ سبل متفرقہ کیا ہیں، اوسی گمراہی کا نتیجہ ہیں جسے قرآن نے "تشیع و تحزب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور تشریح اوس کی اوپر گذر چکی اور رسالت کے اقرار کو آغاز بحث میں ان کھلے الفاظ میں ظاہر کیا جاچکا ہے:-

"پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے سب کو معلوم ہے، اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ... اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا بھی اعتراف ہے ...... کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے" (ص ۱۱۹)

ان اقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک بھی پیغمبر اسلام کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اب یہی ایک سیدھا راستہ منتہائے اللہ انسانوں کے لئے باقی رہ جاتا ہے جسے صراط محمدی (صراطی) کہتے ہیں، اسلئے اس کہنے کے معنی

کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہو جائے، یہی ہیں کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کر لیا جائے، کیونکہ بقول مصنف جتنے مذاہب تھے، وہ سب اپنی سچائیوں کو عملاً گم کر چکے ہیں، اسلئے درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کوئی تناقض نہیں، جو کچھ فرق ہے وہ نظری و عملی کا ہے، نظری طور پر تو یہی صحیح ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائے، لیکن مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسخ ہو چکی ہیں، کہ عملی طور پر کسی مذہب میں اوسکی تمام سچائیاں اور حقیقی تعلیمات کا ملنا محال ہے، اور اسی لئے خدا نے نزول قرآن کے وقت تمام مذاہب کی سچائیاں اسی میں نئے سرے سے جمع کر دیں اور بتا دیا کہ تمام راستوں کو ترک کر کے صراط مستقیم کا اتباع کر لو،

اسی لئے قرآن مجید میں جابجا مختلف اہل مذاہب کو نام بنام مخاطب کر کے اون کو قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، سورۂ آل عمران میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو نبوت محمدی کے قبول کرنے کی ان الفاظ میں دعوت دی،

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا۔ (آل عمران ۲)

اور اے پیغمبر ان کو جن کو کتاب دیگئی، اور عرب کے جاہلوں کو کہدو کہ کیا وہ اسلام لائے اگر اسلام لائے تو انھون نے سیدھی راہ پائی۔

سورۂ بقرہ میں اس سے زیادہ تفصیل سے یوں ہے:-

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون فان آمنوا بمثل ما آمنتم

(اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اترا اور جو ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اون کی اولاد پر اوترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبرون کو اون کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان لائے ہم اون میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر وہ (اہل کتاب) بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو

بہ فقد اھتدوا، وان تولوا فانما ھم فی شقاق۔

اونھون نے سیدھی راہ پائی، اور اگر وہ اس سے باز رہیں تو وہ محض ضد میں ہیں،

ان آیتون سے واضح ہو گیا کہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی ہدایت کا راستہ "اسلام" ہے کوئی اور نہیں، سورۂ نساء میں اونھیں وعید کے ساتھ ایمان کی یون دعوت دی گئی،

یا ایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا مصدقاً لما معکم من قبل ان نطمس وجوھاً فنردھا علی ادبارھا او نلعنھم کما لعنا اصحاب السبت (نساء ۷)

اے وہ لوگ جنھیں کتاب دیگئی، ایمان لے آؤ (قرآن پر) جس کو ہم نے نازل کیا، جو تصدیق کرتا ہے اوسکی جو تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم منہ (الٹ) دین پھر اون کو پیٹھ کی طرف پھیر دین، یا اون کو لعنت کرین

اس کے بعد ذیل کی وہ آیت ہے جسمین لازمی طور پر تمام روے زمین کے انسانون کو رسالت محمدی کا اقرار کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی:-

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض لا الہ الا ھو یحیی ویمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (اعراف ۱۵)

کہدے اے پیغمبر کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اوس خدا کا رسول بنکر آیا ہون جس کی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہین وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اس کے اس امی پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے، اور اس رسول کی پیروی کرو

لیکن اگر ایک شخص رسالت محمدی اور قرآن کے کتاب برحق ہونے کا بھی عقیدۃً قائل ہو مگر اس شرع و منہاج پر جسکو قرآن نے قائم کیا ہے، یا جسکو محمد رسول اللہ صلعم کے انتساب سے شریعت محمدی کہا جاتا ہے، عقیدۃً و عملاً پیرا ہونا ضروری نہین سمجھتا ہو، گویا سادہ الفاظ مین یون کہا جائے کہ وہ اسلام کو بھی ایک دین حق سمجھتا ہو اور اپنے طور پر کسی دوسرے طریق پر ہو تو

کیا قرآن کی تعلیمات اوس کا مطالبہ نہین کرتین۔

یہی وہ سوال ہے جس کا سراغ ہمین ترجمان القرآن کی عبارتون مین اشارۃً کنایۃً بھی نہین ملتا، بلکہ مصنف کے قلم کے

رجحانات کچھ اور غمازی کرتے ہین، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ آنحضرت صلعم کی رسالت کے اقرار مین فرق کرتے ہین، وہ اپنے نزدیک ہر

انسان کے لئے یہ تو ضروری سمجھتے ہین کہ وہ دین اسلام کو بھی ایک دین حق تسلیم کرے، اور ان معنون مین وہ رسالت محمدیؐ کو

لیکن یہ ضروری نہین سمجھتے کہ رسالت محمدیؐ کا اقرار کرکے شریعت محمدیؐ کا بھی وہ اتباع کرے، یہی وجہ ہے کہ ایسے موقعون پر اس

کے اظہار کے بجائے عالمگیر اخوت، عمومی رواداری، اور وسعت نظر وغیرہ جیسے الفاظ اون کے قلم سے ٹپک پڑے ہین،

لیکن یہ وسعت نظر پیدا کرانے اور رواداری کی تلقین کرنے کیلئے قرآن مجید کی جن آیتون سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ مصنف کے

مقصد پر حاوی نہین ہوتین، اوس کی ایک واضح مثال ذیل کے اقتباس مین نظر آتی ہے، اسمین دکھایا جارہا ہے کہ اختلاف فکر

وعمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے اس لئے شرعۃ و منہاج مین اختلاف ہونا ضروری ہے، فرماتے ہین :۔

"چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے، تم جوش دعوت مین چاہتے ہو،

تمام لوگون کو راہ حق دکھلا دو، لیکن تمھین یہ بات نہین بھولنی چاہئے، کہ اختلاف فکر وعمل طبیعت انسانی کا قدرتی

خاصہ ہے، تم بجبر کسی کے اندر ایک بات نہین اوتار دیکھتے،"

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم	اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو زمین مین جتنے بھی انسان
جمیعاً افانت تکرہ الناس حتیٰ	ہین سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ
یکونوا مومنین	اوسکی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی
(۱۰ : ۹۹)	سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو کہ لوگون
	کو مجبور کر دو کہ مومن ہو جائین،

وہ کہتا ہے انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے، وہ

اپنی باتوں کو دوسرون کی نگاہ سے نہین دیکھ سکتی، جسطرح تمھاری نظر مین سب سے بہتر راہ تمھاری راہ ہے ٹھیک اسیطرح دوسرون کی

نظر مین سب سے بہتر راہ انکی ہے، پس اس کے سوا چارہ نہین کہ اس بارہ مین رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو،

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ	اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودون کو
فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم کذلک	پکارتے ہین، تو تم اونھین برا نہ کہو، کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا
زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم	کہ وہ لوگ بھی ازراہ جہل و نادانی خدا کو برا بھلا کہنے
مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون	لگین گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی
(۶ : ۱۰۸)	بنائی ہے، کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا
	ہے، پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف
	لوٹنا ہے، اور وہین ہر گروہ پر اوس کے اعمال کی حقیقت

ترجمان القرآن ج ۲ (صفحہ ۱۲۱)

لیکن اب ان دونون آیتون کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھین سورۂ یونس کی پوری آیت یون ہے :۔

وَلَوْ شاءَ ربک لآمن من فی الارض کلھم	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہین
جمیعاً افانت تکرہ الناس حتی یکونوا	سبکے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگون کو مجبور کر سکتے
مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن	ہو کہ وہ ایمان لے آوین، کسی نفس کے لئے نہین کہ وہ
اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (یونس)	ایمان لاوے، بغیر اللہ کے حکم کے، اور خدا ڈالتا ہے

[illegible]

مصنف نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ کے اندر قوسین مین جو یہ عبارت بڑھائی ہے :۔

"لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے"

اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر انسان کو اپنی اپنی راہ اور اپنی اپنی سمجھ یعنی اپنی اپنی شرعۃ و منہاج کے

رکھنے کا اختیار دیا جارہا ہے، اور آنحضرت صلعم کو بتایا جارہا ہے کہ اختلاف فکر وعمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے" لیکن پوری

لہ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اور لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودون کو پوجتے ہین، اون کو برا نہ کہو، امام طبری وغیرہ تمام اہل تفسیر نے

تشنا یہی کہا ہے اور یہی اس آیت پاک کا واحد منشا ہو (سید ریاست علی)

آیت کے محض لفظی ترجمہ پر بامعان نظر ڈالنے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ قوسین میں اس فقرہ کا اضافہ برمحل نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف جیسا کہ مفسرین کا عام اتفاق ہے، آنحضرت صلعم کے ملول ہونے پر اونھیں طمانیت و سکون رکھنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، آخر میں کہا جارہا ہے کہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون اگر اس آیت میں اپنی اپنی راہ رکھنے کی اجازت دیجاتی یا چشم پوشی کرنے کی ہدایت ہوتی، تو اس "رجس" کی لعنت اور عذاب کی وعید کیوں نازل ہوتی، کہ اختلاف فکر و عمل تو طبیعت انسانی کا خاصہ ہے، پھر اس "قدرتی خاصہ" کی پاداش میں عذاب کیوں ہو،

اس سے زیادہ تعجب انگیز دوسری آیت سے استشہاد ہے، یہ آیت بھی اپنے سیاق و سباق کے ساتھ درج ذیل ہے،

وقد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسه ومن عمی فعلیها وما انا علیکم بحفیظ. وکذلک نصرف الآیات ولیقولوا درست ولنبینه لقوم یعلمون. اتبع ما اوحی الیک من ربک لا اله الا هو واعرض عن المشرکین ولو شاء الله ما اشرکوا وما جعلناک علیهم حفیظا وما انت علیهم بوکیل. ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امة عملهم ثم الی ربهم مرجعهم فینبئهم بما کانوا یعملون (انعام ع ۱۳)

تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمھارے رب کی طرف سے تو جس نے اون کو دیکھا سو اپنے واسطے، اور جو اندھا رہا تو اوس کا وبال اوسی کے اوپر ہے، اور میں تمھارا کوئی نگہبان نہیں، اور اسی طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر سمجھاتے ہیں تاکہ وہ قائل ہوں کہ تو نے اون کو قرآن پڑھایا اور ہم واضح کرتے ہیں اسکو سمجھ والوں کے لئے تو چل اوس پر جو وحی آئے تجھکو تیرے پروردگار کی طرف سے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مشرکوں سے کنارہ کش رہ اور اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، اور تجھکو ہم نے اونکا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تو اون پر وکیل ہے، اور تم لوگ برا نہ کہو اون کو جنکو وہ پکارتے ہیں، اللہ کے سوا کہ وہ اللہ کو بے ادبی بے سمجھی سے برا کہنے لگیں، اسی طرح ہم نے ہر فرقہ کی نظر میں اونکا کام بھلا دکھایا ہے، پھر اون کو اپنے رب کے

اس موقع پر یہود و نصاریٰ کا بھی ذکر نہیں، بلکہ مشرکین عرب سے خطاب ہے، اور صاف صاف کہا جارہا ہے، کہ تمھارے پاس دین محمدی (بصائر) آچکا، جو اس کا اتباع کرے گا، وہ خود فلاح و سعادت پائے گا، اور جو روگردانی کرے گا، وہ روشنیوں اور بصیرتوں کے دیکھنے سے اندھا رہے گا، اس لئے اب آنحضرت صلعم کا کام یہ ہے کہ پیغام رسالت کے بعد اب مشرکین سے کنارہ کش ہوجائیں یہاں تک کہ اون کے اینٹ پتھر اور مٹی کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہیں، ورنہ وہ جاہل ہیں ہی، خدا پر سب و شتم کرنے لگیں گے، اس کے بعد فرمایا بہرحال وہ بصائر کے دیکھنے سے اندھے رہیں، اور اعمال شر میں گرفتار رہیں، تو رہنے دو، ہر گروہ اپنا کام کر رہا ہے، تم خدا پرستی کرو، انھیں بت پرستی کرنے دو، انھیں کبھی نہ کبھی تو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے، آئیں گے اور اپنی بداعمالیوں کے نتائج دیکھ لیں گے،

نہیں معلوم جب اعرض عن المشرکین سے یعلمون تک کا بیان بطور ذم اور فہمائش کے ہے، تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکالا جاسکتا ہے کہ

"پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو"

"رواداری اور وسعت نظر" کا تخیل اوس وقت زیب دیتا جب اونھیں ان بداعمالیوں کے نتائج بھگتنے کی فہمائش نہ کیجاتی، پوری آیت کا سیاق بتا رہا ہے، کہ یہ اعراض اور "کنارہ کشی" رواداری اور وسعت نظر کے لئے نہیں، بلکہ "لاتقاء شرۃ" یعنی اون کے جہل اور شر سے محفوظ رہنے کیلئے اور اونکے ہدایت یاب ہونے سے مایوس ہوجانیکے باعث ہے اور اونکو راہ راست پر لانیکی کوشش کرنے کو ترک کر کے اونکے شریعت محمدی کے اتباع کرلینے اور ہدایت یاب ہوجانیکی ذمہ داری خود انھی پر عائد کیجارہی ہے، کہ وہ اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہوں گے،

مصنف نے انھی دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استشہاد کیا ہے، تعجب ہے، کہ ان حالات میں ان دونوں آیتوں پر باوجود ہر زمانہ میں شرعۃ و منہاج کے جدا جدا قائم رکھنے اور اس سے دین میں کوئی رخنہ نہ پڑنے کا نظریہ قائم کرکے اتنی وسیع عمارت کیونکر قائم کیجاسکتی ہے،

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے شرعۃ و منہاج کو نظرانداز کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ سے اسوقت کہا جب اونھوں نے شریعت محمدی پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ اونھوں نے عبادت کے طریقہ، قبلہ کی سمت اور اعمال شر کے انسداد کے وہ طریقے اختیار نہیں کئے جن کو وہ تسلیم کرتے تھے، یا اون سے کہیں کہیں مختلف ہیں، اسی موقع پر قرآن نے اونھیں بتایا کہ تم ان فروع پر کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو

جزئیات ہین، اصل دین اللہ، ملائکہ، کتب الٰہی، رسل وانبیاء، اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ کو بجالانا ہے، اس لئے شرعۃ ومنہاج سے یہان مقصود جزئیات شریعت ہین نہ کہ کلیات دین، اور آج بھی ہم یہود کو اس بات پر ملزم نہین گردانتے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کیون نہین کرتے ہین، اور اونٹ کا گوشت کیون نہین کھاتے، بلکہ اس بات کا ملزم قرار دیتے ہین کہ وہ نبیون کا انکار اور ان کے لائے ہوئے پیغامون کی تکذیب کیون کرتے ہین، اور نہ نصاریٰ پر اسکا الزام قائم کرتے ہین، کہ وہ کھانے کی احتیاط کیون نہین کرتے، بلکہ یہ الزام دیتے ہین کہ وہ ایک کو تین کیون بناتے ہین، اور دنیا کے آخری رسول اور اوس کے سچے پیغام کو کیون نہین مانتے،

لیکن جب کوئی اس آخری پیغمبر اسلام کو اور اوس کے سچے پیغام کو مانے گا، جو تمام تر "الاسلام" اور "الدین" ہے تو ظاہر ہے کہ جزئیات احکام مین بھی اوسی کی پیروی کریگا، ورنہ اس ماننے کے کوئی معنی نہین ہین جسمین ذاتی اہوا کو بھی دخل ہے،

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر شریعتین تھین وہ نزول قرآن کے وقت تک مسخ ہو چکی تھین اور جب کبھی کسی صاحب شریعت نبی کے بعد کوئی دوسرا شارع آیا تو اوسی وقت آیا جب پہلے صاحب شریعت کا صحیفہ وحی انسانی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ صحیفہ ابراہیم کی گمشدگی کے بعد صحیفہ موسیٰ نازل ہوا، اوس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے زبور آیا، اور اوسکی تکمیل انجیل نے کی، اور جب انجیل بھی انسانی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی، تو قرآن کے نازل فرمانے کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ یہ دنیا کا سب سے آخری صحیفہ ربانی تھا، اس لئے ازل ہی سے اوس کی حفاظت کا اہتمام ہوا اور "انا لہ لحافظون" کہہ کر اوس کی دائمی حفاظت کی خوشخبری سنائی گئی،

اس لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، کہ اسلام کی شریعۃ ومنہاج کے اتباع سے کوئی انسان بری الذمہ کیا جا سکتا ہے جبکہ آخری طور پر اسی شریعت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اسلام مین کعبہ کو قبلہ بنانے اور خانہ کعبہ کی حج کرنے کا حکم آیا، اور یہود نے اس پر اعتراض کیا، تو گو اون سے یہی کہا گیا کہ یہ شرعۃ ومنہاج ومنسک اصل نہین فروع ہین، یہ مقصود نہین ذرائع ہین،

ولکل وجہۃ ہو مولیہا فاستبقوا الخیرات. (بقرہ ۱۸)

اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر وہ رخ کرتا ہے سو تم نیکیون کی طرف سبقت کرو،

اور نیکیون کے متعلق بتایا،

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ الایہ (بقرہ ۲۲)

نیکی یہی نہین ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)

اس لئے اون کا یہ سمجھنا کہ نیکی کا انحصار اسی مین ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کیا جائے صحیح نہین، اس لئے ان جزئیات کے باعث اسلام کی ممانعت کرنا مناسب نہین، ان جزئیات کے ادھیڑبن سے نکلو اور ان کی مخالفت کرنیکے بجائے اصل دین کو قبول کر لو، لیکن اس آخری پیغام کے قبول کرنے والون سے یہی کہا گیا کہ

وحیث خرجت فول وجہک شطر المسجد الحرام

اور جہان بھی تو جائے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر

اسی طرح حج کے متعلق فرمایا،:-

لکل امۃ جعلنا منسکا ہم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک انک لعلیٰ ھدی مستقیم وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون. (حج ۹۶)

ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ اوس قوم کے لوگ اسطرح بندگی ادا کرتے رہین، تو ان باتون مین وہ تجھ سے جھگڑا نہ کرین، تو اپنے رب کی طرف بلائے جا، تو بیشک سوجھ کی سیدھی راہ پر ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑتے ہی رہین تو کہدے کہ اللہ بہتر

اس آیت مین اسلامی شریعت ومنہاج ومنسک کی تمام وکمال تائید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا ہے یعنی جس طرح [illegible] مین پچھلی امتون کے لئے عبادت کا ایک طریقہ تھا، اسیطرح اس جدید تعلیم کے نزول کے بعد اس امت کے لئے بھی ایک عبادت کا ایک طریقہ ہے، پھر اہل کتاب کا ذکر کر کے کہا جاتا ہے کہ اس امر مین تجھ سے جھگڑا نہ کرین (فلا ینازعنک فی الامر) تو اپنی اسی شرعۃ ومنہاج ومنسک کو قائم رکھ کر اونہین دعوت الی الخیر دئے جا، تو راہ حق پر ہے، تیرے اصل دین کی حقیقت، تیرا منسک، اور تیری شریعت ومنہاج "ہدی مستقیم" یعنی سیدھی اور سوجھ بوجھ کی راہ پر ہے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ محض تیرے منسک ومنہاج وشرعۃ یعنی کعبہ کو قبلہ بنانے

اور کعبہ کا حج کرنے وغیرہ کے باعث تجھ سے تنازع کرتے ہیں، تو کہہ دے، اللہ بہتر جانتا ہے، اور جو تم ان فروع کو آڑ بنا کر اس دعوت سے گریز کر رہے ہو اس حقیقت سے آگاہ ہے۔

اہل کتاب کا تو عہد نبوی میں یہ حال تھا، کہ ایک طرف وہ اسلام سے روگردانی کر کے شرائع و مناسک و قوانین قرآن کے احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف وہ جن کتابوں پر اپنا ایمان لانا بتاتے تھے، خود اون کی مقرر کی ہوئی شریعتوں اور قانونوں کی خلاف ورزی کرتے تھے، چنانچہ اون سے بر سبیل تنزل یہانتک کہا گیا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم انجیل ہی کے بموجب اپنے معاملات میں فیصلے صادر کریں، ولیحکم اہل الانجیل بما انزل اللہ فیہ، چاہیے کہ انجیل والے اوس کا حکم دین جو اللہ نے اوس میں اوتارا تھا، لیکن وہ اس پر بھی کب عمل پیرا ہونے کیلئے تیار تھے، اور جو تحریفات انجیل میں کر چکے تھے، اور اپنے ہوا و ہوس سے اپنی شریعت و منہاج میں جو تبدیلیان کر چکے تھے، اور جو معنی پہنائے تھے، اونھین اوس اصل کے مطابق کب لانے والے تھے، جو صحیح طور پر اللہ نے پہلے اوس میں اوتارا تھا (بما انزل اللہ فیہ) اس لئے آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے مختتم طور پر یہ فیصلہ سنا دیا گیا،:-

وانزلنا الیک الکتاب بالحق	اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اوتاری
مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب	جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور امانت
ومہیمنا علیہ فاحکم بینہم بما انزل	کے ساتھ اوس پر شامل ہے، سو تو ان کا (یعنی اہل کتاب کے)
اللہ ولا تتبع اہواءہم عما جاءک	کے درمیان اوس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اوتارا
من الحق:-	ہے تجھ پر (یعنی قرآن) اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے

اوس کو چھوڑ کر اون کی خواہشون کی پیروی نکر

قرآن مجید کی یہی وہ آیت ہے، جو اس باب میں قول مختتم ہے، اسمین صاف صاف کہدیا گیا کہ قرآن جس شریعت اور جس قانون کو نافذ کر رہا ہے جو منسک اور جو منہاج بتا رہا ہے، آخری طور پر اسی کا نفاذ رہے گا کہ قرآن توراۃ و انجیل کا مصدق ہی نہ صرف ان کتب الہی کی تعلیمات میں سے اصل دین کا حامل ہے، بلکہ شرعۃ و منہاج و منسک کو بھی اون سے امانت کے ساتھ اپنے اندر شامل کر چکا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ شرائع و قوانین کا بھی نسخ ہو جائے، اس لئے اب یہی شریعت اور یہی

قانون نافذ العمل رہیگا، اون لوگون نے اپنی اپنی شریعتوں اور اپنے اپنے قانونوں میں اپنے ہوا و ہوس (اہواءہم) اور اپنی باطل آرزوؤن (امانیہم) کی آمیزش کر لی ہے، اب اونکا اتباع نکر، اب قابل اتباع شریعت نہ صرف تیرے لئے بلکہ سب کیلئے وہی ہے جو قرآن میں تیرے پاس سچائی کے ساتھ اوتاری جا رہی ہے، فویل للذین یکتبون الکتب بایدیہم ثم یقولون ھذا من عند اللہ

اس لئے مصنف کی وہ تفسیر جو آیت یا ایہا الذین آمنوا کلوا من طیبت کے ضمن میں لکھی گئی ہے محل نظر ہے، فرماتے ہیں:-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کر لیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے اور اصل شئی دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو۔۔۔۔ پس جہانتک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی (صفحہ ۲۲۹)

اسمین شبہہ نہیں جیسا کہ مصنف کا اسی ضمن میں بیان ہے، کہ

"نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی، کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض ظاہری شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے لیکن قرآن کہتا ہے، کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو"

لیکن مصنف نے قرآن کے اوس بیان سے جو نتیجہ نکالا ہے اور جو تلقین کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کہ "ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہیے، نہ کہ وسائل کی"

کیونکہ جب دوسرے مذاہب کے پیرو قرآن کی اوس دعوت کو قبول کر لیں، جو اوس نے دین کو سمجھاتے ہوئے دی ہے، تو اونھون نے اپنے اوس عقیدہ کو ترک کر دیا، جو وہ اپنے مذہب کے رو سے دین کو سمجھتے تھے، اور پھر اونھون نے اسطرح قرآن کی خاص بات تسلیم کر لی، تو پھر یہ بھی تسلیم کرینگے، کہ اصل مقصود کے حصول کے لئے شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی جو اصلی مقاصد کے ذرائع ہین، ضروری ہین، کیونکہ کہا جا چکا ہے، کہ "شریعت کے یہ ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین کہ اصل مقصود حاصل ہو جائے" اس لئے جب طریق طلب یہی "وسائل" ہین تو طلب مقاصد کیلئے ان "وسائل" کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے

صرف اتنی بات صحیح ہے، کہ وسائل کو مقاصد سمجھکر صرف وسائل کے کر لینے کو نجات و سعادت کیلئے کافی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ
وسائل کے ذریعہ اصل مقاصد کو پانے کی کوشش کیجائے،

اس سلسلہ بحث میں سورۂ اعراف کی حسب ذیل آیت کو دیکھنا چاہئے ،:-

ورحمتی وسعت کل شیٔ فساکتبہا
للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ و
الذین ہم بآیٰتنا یؤمنون، الذین
یتبعون الرسول النبی الامی الذی
یجدونہ مکتوبًا عندہم فی
التوراۃ والانجیل یامرہم بالمعروف
وینھٰہم عن المنکر ویحل
لہم الطیبٰت ویحرم علیہم الخبٰئث و
یضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت
علیہم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور
الذی انزل معہ اولٰئک ہم المفلحون قل
یاایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی
لہ ملک السمٰوٰت والارض لا الٰہ الا ہو یحیی و
یمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی
الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم
تہتدون (اعراف ۱۹)

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہے، پھر اس رحمت کو ان
کے لئے لکھ دون گا، جو پرہیزگار ہین، اور زکوٰۃ دیتے ہین
اور جو ہمارے حکمون کو مانتے ہین، جو اس ان پڑھ نبی
پیغمبر کی پیروی کرتے ہین، جسکو وہ اپنے ہان تورات و
انجیل مین لکھا پاتے ہین، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے
اور برائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو ان کیلئے
حلال کرتا ہے، اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے، اور ان
کے بندھن اور ان زنجیرون کو جو ان پر پڑی تھین
اتارتا ہے، تو جنھون نے اس پیغمبر کو مانا، اور اسکی
تائید کی، اور اس کی مدد کی، اور اوس روشنی کے پیچھے چلے
جو اوس کے ساتھ اتری، وہی کامیاب ہین (کہدے اے
پیغمبر) کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اس خدا کا
رسول ہون، جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے اس کے
سوا کوئی خدا نہین وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے
اللہ اور اوس کے اوس ان پڑھ پیغام رسان پر ایمان
لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے اور

اسمین روئے زمین کے تمام انسانون کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے، مین تم تمام انسانون کی طرف رسول بن کر آیا ہون یعنی وہی
نبی امی جسکا تذکرہ تورات وانجیل مین آیا ہے جو اوامر و منہیات بتاتا ہے، جو کھانے پینے کی چیزون مین پاک چیزون کو حلال
اور پلید چیزون کو حرام بتاتا ہے، اور پچھلی شریعتون مین حلال و حرام مین جو جو سختیان ہوگئی تھین، ان کی بندشین ڈھیلی
کرتا ہے، پس اسی رسول کی پیروی کرو، اونھی چیزون کو حلال سمجھو جنکو وہ حلال بتاتا ہے، اونھی چیزون کو حرام سمجھو جن کو وہ
حرام کہتا ہے، مناسک و عبادات و اخلاق مین، اونھی چیزون کو کرو جن کے کرنے کا حکم دیتا ہے، اور (اعمال شر) مین اونھی
چیزون سے بچو، جن سے وہ روکتا ہے، کیا مسلک و منہاج و شریعت کی حقیقت ان امور سے کچھ جداگانہ ہے،؟

"الاسلام" کے معنی سمجھنے مین ہم سے اصولی غلطی یہ ہوتی ہے، کہ ہم اسلام کے اس اصول پر کہ تمام ادیان و مذاہب
سچے ہین، یہ سمجھ لیتے ہین کہ اسلام موجودہ یہودیت اور نصرانیت کی تصدیق کر رہا ہے، حالانکہ اسلام نے "یہودیت" اور "نصرانیت"
کی تصدیق کے بجائے "دین موسیٰ" اور "دین عیسیٰ" کی تصدیق کی ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ کہتا رہا، مصدقا لما بین یدیہ
ورنہ اسلام نے موجودہ مذاہب کے تمام پیروون کو شدید گمراہیون مین مبتلا بتایا، اور انھین کھول کھول کر بیان کیا، یہودیون
کو اوس نے کہا کہ وہ رسولون اور نبیون کی تکذیب کرتے آئے ہین، اونھین قتل کرتے رہے ہین حسب ضرورت دین مین آسانیان
پیدا کرتے رہے ہین نصاریٰ کو اوس نے کہا کہ خدا کی پرستش کے بجائے حضرت عیسیٰ، حضرت مریم اور اپنے ولیون اور شہیدون
اور اون کی یادگارون کی پرستش مین مبتلا ہوگئے، اس لئے "الاسلام" کا مصداق اور اسلام کا مصدق یہودیت و نصرانیت نہین
جو اپنی گمراہیون اور ضلالتون مین لپٹی رہی، اور ہے، بلکہ حضرت موسیٰ کا اصل دین اور حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیم ہے، ورنہ
یہودیت و نصرانیت تو بموجب اسلام، الدین اور الاسلام سے بمراحل دور ہے، اب اگر رواداری برتنی اور وسعت
نظر پیدا کرنی ہے، تو دین موسیٰ اور دین عیسیٰ اور اصل توراۃ اور اصل انجیل کی تعلیمات کو صحیح باور کرنے کے متعلق، نہ کہ نبیون
کے قاتل اور رسولون کے مکذب یہود، اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے پوجنے والے اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزون کو حلال
کرنے والے نصاریٰ کے ساتھ،

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہی وسعت نظر اور مذہبی رواداری اسلام کی تعلیم ہوتی، تو قرآن پاک مین جا بجا اونکو

قبول اسلام تصدیق قرآن اور ایمان رسول کی دعوت کیون دیجاتی، اور یہ کیون کہا جاتا کہ "اگر وہ ایمان لے آئے تو اونھون نے ہدایت تامہ (صراط مستقیم) حاصل کر لی" فان اسلموا فقد اھتدوا۔ (آل عمران ۲۵) فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا (بقرہ ۱۶)

اور اسی کو سورۂ بقرہ مین یون فرمایا گیا ہے:۔

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون (بقرہ ۱)

جو اوسکو جو تیری طرف (اے پیغمبر) اترا اور تجھ سے پہلے اترا، دونون کو مانتے ہین، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے ہین، وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہین، اور وہی فلاح پانے والے ہین۔

اور اسی طرح سورۂ اعراف مین کہا گیا واتبعوہ لعلکم تھتدون "اور اوس رسول کی پیروی کرو، کہ سیدھی راہ پاؤ"

پھر ذیل کی دو آیتون مین بیان فرمایا:۔

ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیٰت اللہ فان اللہ سریع الحساب فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن (آل عمران ۲)

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور جن کو کتاب دیگئی، اونھون نے علم آنے کے بعد آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتون کا انکار کریگا تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر کج بحثی کرین، تو کہدے کہ مین نے اور میرے پیرون نے تو اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا،

"اسلام کے عقائد مین یہ دو چیزین داخل ہین، خدا کی توحید اور رسولون کی تصدیق، یہود دوسری دفعہ مین اور نصاریٰ پہلی اور دوسری دونون مین ناکام ہین، اس لئے ہدایت سے محروم اور نجات وسعادت کی راہ سے کوسون دور ہین، قرآن کہتا ہے

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون

کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہین، حالانکہ جو بھی آسمانون مین اور زمین مین ہین وہ خوشی سے یا مجبوراً

قل آمنا وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی وعیسٰی والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔

خدا کا مسلم یا فرمانبردار ہے، (اے پیغمبر) کہہ کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اوتارا اور جو ابراہیم پر اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب اور اون کی اولاد پر اوترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبرون کو اون کے رب کی طرف سے ملا، ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہین، اون مین سے کسی مین کوئی فرق نہین کرتے، اور ہم اوسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہین، اور اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو وہ اوس سے قبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین ہوگا۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ الاسلام کی حقیقت کیا ہے، اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین قبول کریگا، وہ مقبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین ہوگا، اور خاص اہل کتاب کو خطاب کر کے یہی تصریح فرمائی

فآمنوا باللہ ورسولہ الامی۔

تو اللہ اور اوس کے اس ان پڑھ پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ

فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا۔

اگر وہ ایمان لے آئے، اوسی طرح جس طرح تم ایمان لائے تو اونھون نے ہدایت پائی

سورۂ حدید ع ۴ مین رسولون کے مبعوث کرنیکے عمومی ذکر کے بعد حضرت نوح ؑ و ابراہیم ؑ اور اونکے خاندانون کے انبیا کا تذکرہ کر کے حضرت عیسیٰ ؑ کی نبوت کا ذکر آتا ہے، اور پھر اون کے متبعین کی نیکیان اور گمراہیان بتا کر رسالت محمدی اور اوسکے اتباع کا یون ذکر آیا ہے:

وقفینا بعیسی ابن مریم وآتینٰہ الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا فآتینا الذین آمنوا منھم اجرھم

اور ان کے پیچھے ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اوسکو انجیل دی، اور جو لوگ اوس کے پیرو ہوئے اونکے دلون مین نرمی اور رحم ڈال دیا، اور ایک دنیا چھوڑنا اونھون نے نیا نکالا ہم نے نہین لکھا تھا اون پر مگر اللہ کی رضامندی چاہنی، پھر نہ نباہا اوس کو جیسا چاہئے تھا نباہنا، پھر دیا ہم نے اون کو جو ان مین ایمان لائے

وکثیر منھم فاسقون۔ یاایھا الذین آمنوا	اونکا اجر، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہوئے۔ اے ایمان والو اللہ
اتقوا اللہ وآمنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ	سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اوس کے رسول پر کہ تم کو اپنی
ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم و	رحمت سے دوگنا دے اور رکھ دے تم میں ایسی روشنی جس میں تم چلو
اللہ غفور رحیم لئلا یعلم اھل الکتاب الا	اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے تاکہ اہل
یقدرون علی شیء من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ	کتاب یہ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل نہیں اور فضل تو اللہ کے ہاتھ
یوتیہ من یشاء اللہ ذو الفضل العظیم	میں ہے دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاری اپنے ابتدائی عہد میں اعمال خیر انجام دیتے رہے، پھر بے راہروی اختیار کی اور اس دین کو قائم نہ رکھ سکے، جسکی اونھیں تلقین کی گئی تھی، اور فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے، اون کے اس فسق وفجور کی تشریح سورۂ مائدہ ع ۱۶ میں اس طرح تفصیل سے آئی ہے، واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ .... قال .... ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم الآیۃ "اور پوچھے گا اللہ اے مریم کے بیٹے عیسی! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا معبود بنالو .... عیسی کہیں گے .... میں نے اون سے کچھ نہیں کہا، بجز اسکے جو تو نے مجھے حکم دیا کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی عبادت کرو، اور جبتک میں اون کے درمیان رہا، اوس وقت تک کا میں گواہ ہوں، (کہ وہ یہی کہتے رہے)"

ان نصاری کا یہی فسق وفجور ہے، جس کو حضرت عیسی کے بعد اونھوں نے اختیار کر لیا ہے، اسلئے آیت الذین ھادوا والصابئون النصاری کے دور حاضر کے نصاری کیونکر مراد ہو سکتے ہیں، کہ اونھیں سورۂ حدید کی ان آیات میں اپنے فسق وفجور کو ترک کر کے رسالت محمدی کے اقرار اور دین محمدی کے اتباع کی تلقین کیگئی، اور یہ بتایا گیا کہ نجات کا یہی ذریعہ ہے اور اسی لیے اس سلسلۂ بیان کی آخری آیت میں اہل کتاب کے اس تخیل کا ابطال کیا گیا کہ لئلا یعلم اھل الکتاب الآیۃ "اہل کتاب یہ سمجھیں کہ دین محمدی کے متبعین پر اللہ کا فضل نہ ہوگا، بلکہ یہ فضل جو ذریعہ نجات وسعادت ہے، خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسکو چاہتا ہے اس کے لئے چن لیتا ہے، اور وہ اسلام کے انھی متبعین کو اپنے فضل کے لئے منتخب فرماتا ہے، جس سے وہ فائز المرام ہوں گے،

"نجات وسعادت کی راہ کو عام کر دینے میں سب سے زیادہ استشہاد سورۂ مائدہ کی اس آیت سے کیا گیا ہے،

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون والنصریٰ	البتہ جو مسلمان ہیں، اور جو یہودی ہیں، اور صابئین اور نصاری
من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔	جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لئے محض "ایمان باللہ" "ایمان بالآخرۃ" اور "عمل صالح" شرط ہے خواہ وہ مسلمان ہو کہ یہودی، صابی ہو کہ نصرانی،

لیکن اس آیت کی اس تفسیر میں اصولی غلطی یہ سرزد ہوتی ہے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے یہودیت نصرانیت اور صابئیت کی تصویب اور تصدیق کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہودی مذہب پر ہو نصرانی مذہب پر ہو، یا صابئی مذہب پر ہو، اگر خدا پر ایمان آخرت پر ایمان اور ایمان اور عمل صالح ہو، تو نجات کے لئے کافی ہے، لیکن یہ غور نہیں کیا جاتا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کی زبان سے یہودیت یعنی رسولوں کے انکار اور حیلہ جوئی، اور ظاہری رسوم پرستی، اور نصرانیت یعنی تثلیث وصلیب پرستی اور صابئیت یعنی ستارہ پرستی کی سچائی کا اعتراف کرایا جا رہا ہے، اور اس کے علاوہ کیا تثلیث پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ایمان باللہ کا اجتماع تضاد نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے نام مذہب کی حیثیت سے نہیں، بلکہ قومیت کی حیثیت سے ہیں، یعنی خواہ یہودی قوم سے ہو یا نصرانی قوم سے ہو یا صابئی قوم سے ہو، جو بھی ہو اگر وہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہے تو اس کے لئے نجات کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جو لوگ اس آیت کے سیاق وسباق کو چھوڑ کر صرف اسی پر نظر ڈال لیتے ہیں، وہ حقیقت میں وانتم سکاری کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلاۃ کی تفسیر کرتے ہیں، اسلئے ضروری ہے کہ اس آیت کو اسکے سیاق وسباق کیساتھ دیکھا جائے،

یہ پوری سورۂ مائدہ اہل کتاب کے ذکر میں ہے، اہل کتاب کا مسلسل تذکرہ ہونے کے بعد اون سے اولاً ایمان کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا جاتا ہے ولو ان اھل الکتاب آمنوا، الآیۃ "اور اگر اہل کتاب (قرآن پر) ایمان لے آتے، .... تو ...." اس کے بعد آنحضرت صلعم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے، یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الآیۃ "اے پیغمبر اون (اہل کتاب) تک جو پیغام تیرے پاس تیرے رب کی جانب سے آیا ہے وہ پہنچا،" اس کے بعد پھر اہل کتاب سے یوں خطاب ہے قل یا

الکتٰب لستم علیٰ شیٔ حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم الایۃ" اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہین ہو جب تک کہ توراۃ و انجیل اور اوس چیز کو جو تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے بھیجی گئی ہے قائم نہ کرو" اس موقع پر ما انزل الیکم من ربکم سے مراد توراۃ و انجیل سے اور پیغام الٰہی ہے اور یہی قرآن ہے جسکی تشریح ان الفاظ مین سلسلہ بیان مین اسی کے ساتھ یون ہے، ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکٰفرین "جو کچھ تجھ پر اوتارا گیا (یعنی قرآن) وہ بہتیرون کی سرکشی اور نافرمانی کے زیادہ ہونے کا ضرور باعث ہوگا ان انکار کرنے والے لوگون پر کچھ غم نہ کھا" اس کے بعد وہی آیت مذکورۂ بالا ہے، ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا الایۃ دیکھو کہ اوپر کی آیت مین تنزیل محمدی کے نہ ماننے والون کو کافرین کی فہرست مین داخل کیا گیا ہے۔

اب غور طلب ہے کہ جب یہود و نصاریٰ سے اس آیت سے پہلے کی آیت مین قرآن اور اون کے رسول پر ایمان کا مطالبہ کیا گیا تو اس مطالبۂ ایمان کے ساتھ اس آیت والذین ھادوا والصابئون والنصٰری کا اس تغیر کے ساتھ کیا جوڑ ہو سکتا ہے جو نجات و سعادت کی راہ مین عموم دکھانے کے لئے بیان کیجاتی ہے، اور مزید بران اس آیت کے بعد لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا "ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اون کے پاس رسول بھیجے" کہکر ارسال رسل کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اوس کے بعد بنی اسرائیل کے عادات تکذیب و قتل انبیاء کا ذکر کر کے کہا گیا، وحسبوا الا تکون فتنۃ فعموا وصموا ثم تاب اللہ علیھم ثم عموا وصموا کثیر منھم واللہ بصیر بما یعملون "اور وہ سمجھے کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا، پس اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر خدا نے اون کی توبہ قبول کر لی، پھر بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور یہ جو کچھ کر رہے ہین اللہ اوس کو دیکھ رہا ہے" اسمین پہلی مرتبہ "فعموا وصموا" پس اندھے اور بہرے ہو گئے سے مراد اون کے دین نصرانیت سے انکار کرنے کے ہین، پھر ثم تاب اللہ علیھم پھر اللہ نے اون کی توبہ قبول کی سے مراد رسالت محمدی کا اقرار کر کے ان کے گناہون کے دھونے کی خبر ہے، مگر پھر ثم عموا وصموا کثیر منھم کہکر بتایا گیا کہ ان مین سے اکثر نے رسالت محمدی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نور کے دیکھنے اور حق کو سننے سے انکار کر دیا، اور پھر واللہ بصیر بما تعملون کہکر بتا دیا گیا کہ اون کے رسالت محمدی کو قبول نہ کرنے مین جو کرتوت ہو رہے ہین، اللہ انھین دیکھ

رہا ہے اور ایک دن وہ آنے والا ہے، جب اوسکی پاداش اونھین ملے گی،

پھر یہود کے اس ذکر کے بعد اس کے آگے انفرادی طور پر نصاریٰ کا ذکر آتا ہے، اور اون کے مشرکانہ عقائد لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم… ان اللہ ثالث ثلٰثۃ "یقیناً کفر کیا ان لوگون نے جنھون نے کہا اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے… اللہ انھی تین مین کا تیسرا ہے، …" اور اس انفرادی ذکر کے بعد پھر یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک کا یکجا بیان ہے، اور اسکے بعد کہا گیا ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء الایۃ اگر وہ اللہ پر اور اوس نبی پر اور اوس چیز جو اوس پر اوتاری گئی، ایمان لاتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے، …" اور اسکے بعد اون اہل کتاب کا ذکر آیا جنھون نے رسالت محمدی قبول کر لی، واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون اٰمنا فاکتبنا مع الشاھدین وما لنا لا نؤمن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین" اور جب وہ اوس چیز کو سنتے ہین، جو اس رسول پر اوتاری گئی تو تو دیکھتا ہے کہ اون کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے ہین کیونکہ اونھون نے حق کو پہچان لیا ہے، اور کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے اور تصدیق کرنے والون مین ہم کو بھی لکھ لے، کیا ہے ہمارے لئے کہ ہم نہ ایمان لائین اللہ پر اور جو چیز ہمارے پاس حق کے ساتھ آئی، اور طمع نہ کرین کہ اللہ ہمکو داخل کرے پاکباز نیک گروہ مین (مائدہ ع ۱۱ تا ۱۱)

اسلئے نجات و سعادت کی راہ مین بظاہر وہ عموم دکھانے والی آیت دراصل اون یہود کے جواب مین ہے، جو مسلمانون سے کہا کرتے تھے، کہ نجات صرف یہود کے لئے مخصوص ہو چکی ہے، اور اگر اون آیات کی وہ مذکورۂ بالا تشریحات صحیح نہین تو پھر ان تمام مسلسل آیات مین ربط باہمی کیا ہو سکتا ہے، اور سلسلہ بیان کو "مطالبۂ ایمان" سے شروع کر کے "ایمان نہ لانے" پر ختم کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہین،

اس کے علاوہ قرآن مجید مین ایک سے زیادہ موقعون پر اسکی شہادت موجود ہے کہ ایمان باللہ کی اصطلاح مین ایمان بالرسول بھی ضمناً داخل ہے سورۂ تغابن مین فرمایا:۔

فاٰمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اوتارا ہے
واللہ بما تعملون خبیر یوم یجمعکم	اور اللہ کو تمھارے کام کی خبر ہے جب تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونیکے
لیوم الجمع ذٰلک یوم التغابن ومن	دن، وہ دن ہے ہار جیت کا، اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر نیک کام

يومن بالله ويعمل صالحا يكفر عنه سياته ويدخله جنت
تجري من تحتها الانهار خلدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم (تغابن ۱۲)

کرے، اوس سے اوسکی برائی دور کریگا اور اوسکو ایسے باغون مین
داخل کریگا جن کے نیچے نہرین بہتی ہین اور اوسمین ہمیشہ رہینگے

یہان "ایمان باللہ" "بالرسل" اور "بالنور" کی دعوت دیگئی "نور" سے مراد قرآن ہے، اور اس کے بعد یوم حشر کا ذکر کرکے صرف ایمان [باللہ] اور حسن عمل کا ذکر ہے، تو اگر ایمان باللہ کے اندر ایمان بالرسول کا تصور نہ ہو، تو اس آیت کے اول و آخر مین صریح تضاد [ہے] اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ مین "ایمان بالرسل" اور "بالنور" بھی داخل ہے، اور یہی "فوز عظیم" ہے،

سورۂ حشر مین یہود کی جلاوطنی کے ذکر مین کہا گیا ہے:۔

ذالك بانهم شاقوا الله ورسوله ومن — اور یہ اسلئے کہ اونھون نے اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی
يشاق الله فان الله شديد العقاب (حشر ۱۶) — اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دیگا

یہان "شاقوا الله ورسوله" "اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی" کہکر جب کو صرف "من يشاق الله" "اور جو اللہ کی مخالفت کرے" کہا جاتا ہے جس سے مراد اللہ اور رسول دونون کی مخالفت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخالفت مین رسول کی مخالفت بھی [داخل ہے]

اسی طرح سورۂ مجادلہ رکوع ۳ مین ہے:۔

لا تجد قوما يومنون بالله واليوم الاخر — تو نہ پائیگا کوئی ایسی قوم جو ایمان رکھتے ہون اللہ پر اور پچھلے دن
يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا — پر پھر دوستی کرین ایسون سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اوسکے رسول کے
اباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشيرتهم — گو وہ اون کے باپ ہون، ان کے بیٹے یا اونکے خاندان ہی کے کیون نہ
اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم — ہون، یہی ہین جنکے دلون کے اندر خدا نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اونکی مدد
بروح منه ويدخلهم جنت تجري من تحتها — کی ہو اپنے فیضان غیبی سے اور داخل کریگا اونکو باغون مین
الانهار خالدين فيها رضي الله عنهم ورضوا عنه — جنکے نیچے نہرین بہتی ہین، وہ ہمیشہ اونھی مین رہینگے، اللہ اون سے
اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون — راضی ہوا اور وہ اوس سے راضی ہوئے، یہی ہین اللہ کی جماعت

یہ آیتین اس حقیقت کو واضح طور پر بتا رہی ہین کہ جو "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخرۃ" رکھتا ہو، وہی ہے جو اس رسالت

محمدی کو بھی تسلیم کرے کہ اس آیت مین "رسولہ" سے مراد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہی ہے، کہ جس سے مشرکین یثرب عداوت رکھتے تھے اور جب محمد رسول اللہ صلعم کے دشمنون کے دوست و احباب تک "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخر" سے متصف نہین ہو سکتے تو پھر یہود و نصاریٰ جنکی دشمنیان آنحضرت صلعم کے ساتھ مسلّم ہین، وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے کیونکر موصوف کئے جا سکتے ہین اس آیت مین پوری تصریح ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے ساتھ رسالت محمدی کا انکار جمع نہین ہو سکتا، اسی لئے پھر گویا جلکہ ایمان کو اونھی لوگون کے دلون مین محصور کر دیا گیا، جو دین محمدی کا اتباع کرین جو حقیقت مین الاسلام اور الدین ہے، اور پھر اسی گروہ کو رضوان الٰہی کی بشارت ملی، اسیکو حزب الٰہی سے موسوم کیا گیا، اور پھر اللہ کے اسی گروہ کو فلاح وسعادت اور نجات کی خوشخبری سنائی گئی، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ،

ہمارے نزدیک ان تمام غلط فہمیون کا منشا صرف تین باتین ہین،

۱- اسلام (وہ دین جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا) اور الاسلام یقیناً دونون ایک ہین لیکن الاسلام کی حقیقت مین داخل ہے کہ خدا کی توحید اور تمام رسولون کی صداقت تسلیم کیجائے پس جو ان دونون مین سے کسی ایک مین بھی مشکک یا منکر ہے وہ الاسلام سے دور ہے،

۲- قرآن پاک دین موسیٰ اور دین عیسیٰ علیہما السلام اور اون کے اصل صحیفون کو تسلیم کرتا ہے، یہودیت اور نصرانیت اور اون کی بنائی ہوئی کتابون کو نہین، دین موسیٰ اور یہودیت اور دین عیسیٰ اور نصرانیت یہ دونون ایک نہین دو چیزین ہین،

۳- قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو الاسلام کا مرادف ہے اور جسکو اسلام کہتے ہین، اسی کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ کامل ہدایت پائین، لیکن اگر وہ اوس کو نہ مانین تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اوتر کر بسبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کرین، کہ اوس سے بھی اسلام پورا نہین تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا، لیکن قرآن کے اس کہنے سے یہ نتیجہ نہین نکالا جاسکتا کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور اون کی تحریف شدہ کتابون کی صداقت کو تمام تر تسلیم کر لیا ہے، پس نتیجہ بحث یہ ہے:۔

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و — اور اے پیغمبر ہم نے تمکو تمام لوگون کیلئے خوشخبری سنانیوالا
نذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون (السباء ۳) — اور ہشیار کرنیوالا بناکر بھیجا لیکن بہت سے لوگ بیخبر ہین،

حکیم سنائی کے سنین عمر

از

سید سلیمان ندوی،

شیخ ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی کے متعلق اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھون نے سلطان بہرامشاہ غزنوی[1] (۵۱۲ھ تا ۵۴۷ھ) اور سلطان سنجر سلجوقی (۵۱۱ھ تا ۵۵۲ھ) کا زمانہ پایا ہے، لیکن انکی عمر کے سنین مین بیحد اختلافات ہین،

نظامی عروضی جس نے تقریباً ۵۵۰ھ مین اپنی کتاب چہار مقالہ لکھی ہے، اُسنے سنائی کا نام غزنوی سلاطین (آل ناصر) کے شعرا مین سب سے آخر مین لیا ہے، (ص ۲۸ گب) عوفی نے لباب الالباب (۶۱۸ھ) مین حسب دستور کوئی تاریخ وسنہ درج نہین کیا ہے، حمد اللہ قزوینی نے گزیدہ مین جو ۷۳۰ھ مین لکھی گئی ہے، دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے، ایک مشائخ کے سلسلہ مین اور دوسرے شعرار کے ضمن مین، پہلے موقع پر لکھا ہے:-

"معاصر شیخ ابوسعید ابوالخیر بود" (ص ۷۸۹، گب)

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات ۴۴۰ھ مین ہوئی ہے، اس بنا پر سنائی کی تاریخ زندگی بھی اسی کے پس وپیش ہونی چاہئے، لیکن دوسری جگہ اس مین لکھا ہے:-

"تا زمان سلطان بہرامشاہ (غزنوی) درحیات بود" (ص ۸۲۱ گب)

بہرامشاہ غزنوی کی سلطنت کا زمانہ ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک ہے، اس لحاظ سے ان کی تاریخ وفات اسی مدت

[1] بہرامشاہ کی وفات کا سال گزیدہ مین ۵۴۴ھ ہے، طبقات ناصری مین ۵۵۲ھ ہے، بدایونی مین ۵۴۷ھ ہے، برٹش میوزیم کی فہرست مخطوطات (ص ۵۴۹ ج ۲) مین ۵۴۸ھ ہے، مگر زیادہ تر مورخین ۵۴۷ھ ہی لکھتے ہین،

کے درمیان ہونی چاہئے،

مولنا جامی نے نفحات مین نقل کیا ہے کہ سنائی نے سلطان محمود کی مدح مین قصیدہ لکھا تھا، سلطان محمود نے ۴۲۱ھ مین وفات پائی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنائی کی ولادت چوتھی صدی کے اواخر مین ہوئی ہوگی اور پانچوین صدی کے شروع مین اس قابل ہونگے کہ سلاطین کے لیے مدحیہ قصیدے کہہ سکین، مگر خود اسی نفحات مین مولنا نے ان کا ایک ہی سال وفات اگو بقول بعض، لکھکر نقل کیا ہے، اور وہ ۵۲۵ھ ہے، اور یہ دونون باتین صحیح نہین ہوسکتین، ورنہ ان کی عمر شاید سوا سو برس سے زیادہ کی ماننی پڑیگی،

حکیم موصوف کے سال وفات مین بھی اختلافات ہین، جنکی تفصیل آگے آئیگی، ان مشکلات کے حل کی صورت یہ ہو کہ پہلے سنائی کی مشہور مثنوی حدیقہ کی تصنیف کی تاریخ متعین کیجائے،

حدیقہ کا سال تصنیف

حکیم سنائی نے اپنی مثنوی حدیقہ کے آخر مین اپنی اس کتاب کی تصنیف کا سال لکھا ہے، مگر عجیب تر یہ ہو کہ اس کے قلمی اور مطبوعہ دونون قسم کے نسخون مین یہ تاریخی شعر کئی طرح پر ہے، اکثر نسخون مین تو یہ ہے:-

پانصد وبست وچار رفتہ ز عام   پانصد وبست وپنج گشتہ تمام

اس سے تصنیف کی تاریخ ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ تک معلوم ہوتی ہے، لیکن یہی شعر لکھنو کے شاہی کتبخانہ کے ایک نسخہ مین (دیکھو اسپرنگر کی فہرست) اور نیز شرح حدیقہ کے قلمی نسخہ (انڈیا آفس لائبریری) مین اور بعض دوسرے قلمی نسخون مین اس طرح ہے:-

پانصد وسی وچار رفتہ ز عام   پانصد وسی وپنج گشت تمام

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵۳۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی،

لیکن نولکشور لکھنو کے مطبوعہ نسخہ مین اور ایک دو قلمی نسخون مین (دیکھو فہرست میونک یونیورسٹی لائبریری) یون ہے:-

پانصد وبست وچار رفتہ ز عام   پانصد وسی وپنج گشت تمام

یہ شعر بتاتا ہے کہ حدیقہ ۵۲۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی، یعنی دس برس مین،

میونک یونیورسٹی کے ایک نسخہ مین اس آخری قرأت کی ایک اور تصحیف ہے،

ماہ وبست وچہار رفتہ ز عام
پانصد وبست وپنج گشتہ تمام

بوڈلین کے ایک نسخہ مین حسب معمول "پانصد وبست وچار اور پانصد وبست وپنج ہے، لیکن دوسرے مین [illegible]

پانصد وبست وچار رفتہ ز عام
پانصد سی وچار گشتہ تمام

اس مین ۵۲۴ھ مین آغاز اور ۵۳۴ھ مین انجام بیان ہوا ہے،

بہر حال ان مین سے کوئی سا نسخہ بھی اختیار کیا جاے، اتنا تو بے شبہ ثابت ہو کہ حکیم موصوف کا زمانہ پانچوین صدی کے اواخر سے لیکر چھٹی صدی کے اواسط تک ہے، اور اسکے خلاف کی سب روایتین قطعاً غلط ہین،

اب یہ سوال ہو کہ ان مختلف نسخون مین سے کون صحیح ہے، تو اس کے جواب مین حسب ذیل مراتب طے کرنے ہین:

۱- اکثر نسخون مین ۵۲۴ھ۔ ۵۲۵ھ ہے،

۲- متعدد نسخون مین ۵۳۴ھ۔ ۵۳۵ھ ہے،

۳- ایک دو نسخون مین ۵۲۴ھ۔ ۵۳۵ھ ہے،

۴- ایک مین ۵۲۴ھ۔ ۵۳۴ھ ہے،

پہلے اور دوسرے نسخون کی بنا پر تصنیف کی مدت ایک سال ہوتی ہے، اور تیسرے چوتھے کی بنا پر دس سال یہ دس سال کی مدتِ تصنیف حسب ذیل وجوہ سے ناقابلِ قبول ہے،

۱- یہ اکثر معتبر و مستند نسخون کے خلاف ہے،

۲- سنائی نے ۵۲۸ھ مین اپنی مثنوی طریق التحقیق لکھی ہے، جیسا کہ اس مثنوی کے آخر مین ہے، (فہرست انڈیا آفس لائبریری)

پانصد وبست وہشت ز آخر سال
بود کین نظم نغز یافت کمال

ظاہر ہے کہ پہلی مثنوی کے تمام ہونے کے بعد ہی سنائی نے یہ دوسری مثنوی شروع کی ہوگی، تصانیف اور خصوصاً نظمیہ اور وہ بھی ہم مضمون نظمیات کے ظاہر حال کے یہ خلاف ہے کہ ایک کو ناتمام چھوڑ کر دوسری کو

شروع کر دیا جاے، کہ ایک ہی قسم کے دو قیات اور ایک ہی قسم کے وزن مین تغیر اور تبدل کی ضرورت قرائن کے خلاف ہے،

۳- اس شعر کے اوپر ایک اور شعر سب نسخون مین ہے جسمین مہینون کا ذکر ہے،[1] ان دونون شعرون کو ملا کر پڑھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تصنیف مین ایک سال صرف ہوا ہے، وہ شعر یہ ہین،

شد تمام این کتاب در مہ دئی
کہ در آذر فگندم این را پی

پانصد وبست (سی) وچار رفتہ ز عام
پانصد وبست (سی) وپنج گشتہ تمام

آغاز و انجام کے مہینون کا یہ حساب اسی وقت پیش کیا جاتا ہے، جب حساب سال کے اندر یا سال کے قریب ہو، اس قرینہ سے اُس قرات کی تصدیق ہوتی ہے جس سے تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہوتی ہو، ایک سال کے آذر سے لیکر دوسرے سال کے دئی تک ٹھیک ایک سال ہوتا ہے، اس سے اکثر نسخون کے مطابق یہ تصریح نکلتی ہے کہ ماہ آذر ۵۲۴ھ سے شروع ہو کر ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام ہوئی، اور یا بعض نسخون کے مطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ آذر ۵۳۴ھ سے تصنیف کا آغاز اور ماہ دی ۵۳۵ھ مین اسکا انجام ہوا،

اگر مدت دس گیارہ برس ہوتی (۵۲۴ھ سے ۵۳۵ھ یا ۵۳۴ھ تک) تو آغاز و انجام کے مہینون کا پیش کرنا بیسود ہوا جاتا ہے،

۴- شعرا اس قسم کی تاریخ کا اظہار فخریہ کرتے ہین، ایک سال مین (یعنی ۵۲۴ھ۔ ۵۲۵ھ یا ۵۳۴ھ۔ ۵۳۵ھ) اس کتاب کا تصنیف پانا تو وجہ افتخار بن سکتا ہو، مگر دس گیارہ برس کی محنت شاقہ مین اس کا تصنیف پانا سنائی کیا کسی معمولی شاعر کے لیے بھی افتخار کی وجہ نہین ہو سکتی،

ان قرائن کی بنا پر ۵۲۴ھ۔ ۵۳۵ھ کا نسخہ ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح وہی نسخہ ہے، جس سے اسکی تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہو، اب اگر ۵۲۴ھ۔ ۵۲۵ھ کا نسخہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ حدیقہ پہلے، اور طریق التحقیق ۵۲۸ھ مین بعد کو لکھی گئی، اور اگر دوسرا نسخہ ۵۳۴ھ۔ ۵۳۵ھ صحیح ہو تو معلوم ہوگا کہ طریق التحقیق ۵۲۸ھ

[1] وسیع النظر پروفیسر شیرانی کا تنقید شعر العجم ذکر سنائی مین وبست وچار وسی وپنج کے نسخہ کو بلا دلیل تسلیم کر کے یہ نتیجہ نکالنا کہ سنائی حدیقہ کی تصنیف مین دس برس مصروف رہے، (یعنی ۵۲۴ھ سے ۵۳۴ھ تک یا ۵۳۵ھ تک) درست نہین معلوم ہوتا، شاید ان کے پیش نظر صرف نول کشوری نسخہ رہا، "س"

مین پہلے اور حدیقہ ۵۳۴ھ یا ۵۳۵ھ مین بعد کو نظم ہوئی،

اب ان دو نسخون مین سے جنمین سے ایک مین "بست و چار و بست و پنج" اور دوسرے مین "سی و چار و سی و پنج" ہو پہلا نسخہ میرے خیال مین صحیح تر ہے، کیونکہ حدیقہ کے اکثر و بیشتر نسخون مین بست و چار و بست و پنج ہی مذکور ہے،

چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے جن کتبخانون کے نسخون کا حال معلوم ہو سکا ہے، ان مین علی العموم یہی تاریخ ہے، بمبئی کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۹ء مین جو ایرانیون نے چھاپا ہے یہی ہے، حاجی خلیفہ چلپی کے سامنے جو نسخہ تھا اس مین بھی یہی تھا، کشف الظنون مین ہے:۔

"فرغ من نظمہ سنۃ اربع وعشرین وخمسمائۃ"

مولنا جامی کے پیش نظر نسخہ مین بھی یہی تھا، نفحات مین ہے:۔

"تاریخ تمامی حدیقہ چنانچہ خود بنظم آوردہ سنۃ خمس وعشرین وخمسمائۃ بودہ است"

اس بنا پر اسی نسخہ "بست و چار و بست و پنج" کو صحیح تر ماننا چاہئے، اور یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ سنائی نے حدیقہ ماہ آذر ۵۲۴ھ مین شروع کی اور ایک سال مین ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام کی،

تاریخ ولادت

حکیم سنائی کی تاریخ ولادت عموماً اگلے تذکرون مین مذکور نہین، مگر بعض متاخرین نے ۴۳۷ھ ان کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ ریو نے تذکرۃ الافکار کے حوالہ سے یہی تاریخ نقل کی ہے (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ صفحہ ۵۴۹) شیر خان لودی نے صاحب مجمل فصیحی کی روایت سے اپنے تذکرہ مرآۃ الخیال (ص ۴۴ طبع کلکتہ) مین اور آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین بھی یہی تاریخ ولادت درج کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ قطعاً غلط ہے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حدیقہ اکثر و بیشتر نسخون کے مطابق ۵۲۴ھ یا ۵۲۵ھ مین لکھی گئی ہے، اور بعض دوسرے نسخون کا اعتبار کیا جائے تو ۵۳۴ھ یا ۵۳۵ھ مین تالیف ہوئی، حدیقہ کے تقریباً وسط مین ہے،

پای برپای آمد از نم شصت	لاجرم دست می زنم بر دست (باب الضعف والشیب)
عمر دادم بہمگی برباد	برمن آمد ز شصت صد بیداد (فی تبدیل الاحوال)

ان دونون شعرون سے ثابت ہے کہ حدیقہ کی تصنیف کے وقت سنائی کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اب اگر ۵۲۴ھ کو وقت تصنیف مانا جائے تو ولادت کا سال ۴۶۴ھ نکلے گا، اور اگر ۵۳۴ھ مانا جائے تو ۴۷۴ھ ہوگا،

تاریخ وفات

سنائی کے سالِ وفات کے متعلق چار روایتین ہین،

۱۔ شیر خان لودی نے مجمل فصیحی کی روایت سے لکھا ہے کہ سنائی ۴۳۷ھ مین پیدا ہوئے اور باسٹھ برس کی عمر پائی، اس حساب (۴۳۷+۶۲=۴۹۹) سے ۴۹۹ھ مین وفات واقع ہوتی ہے جو سرتاپا غلط ہے، کہ یہ حدیقہ و طریق التحقیق کی تصنیف سے اور بہرامشاہ و سنجر کی تخت نشینی سے پہلے کا واقعہ ہوگا، جو ہر طرح شایبہ صحت سے خالی ہے،

۲۔ مولانا جامی نے نفحات الانس مین بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین جس سال حدیقہ کی تصنیف ختم ہوئی، مصنف کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا،

بعد کے اکثر لوگون نے اس بعض کے قول کی بے تحقیق تقلید کی ہے،

۳۔ تقی الدین کاشانی نے اپنے تذکرہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار مین جو ۹۷۹ھ یا ۹۹۳ھ کی تالیف ہے اور جس کے ابواب کا خلاصہ ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست کتبخانہ شاہ اودھ مین دیدیا ہے، سنائی کی وفات کا سال ۵۴۵ھ نقل کیا ہے (فہرست مذکورہ ص ۵۵۸)

۴۔ دولت شاہ سمرقندی نے تذکرہ مین اپنی مشہور بے احتیاطی کیساتھ سنائی کی وفات کا سال ۵۷۶ھ لکھا ہے،

اگرچہ ان مین سے کوئی بھی قدیم ترین اور قریب ترین شہادت نہین ہے، تاہم محققین حال نے متعدد وجوہ کی بنا پر تقی کاشانی کی روایت یعنی ۵۴۵ھ کے سالِ وفات کو معتبر قرار دیا ہے،

میرے نزدیک تو دولت شاہ کی ۵۷۶ھ والی روایت اس لیے قبول کے قابل نہین کہ جب ۴۶۴ھ مین ان کی ولادت ہوئی اور ۵۲۵ھ مین حدیقہ کی تصنیف کے وقت وہ ساٹھ سال کے تھے تو ۵۷۶ھ مین انکی عمر ایکسو گیارہ برس کی قرار پاتی ہے، اور یہ طول عمر ثبوت کا محتاج ہے، اور اسلئے بھی اس قدر متاخر تاریخ نہین مانی جاسکتی، کہ سنائی کی تصنیفات مین صرف بہرامشاہ اور سنجر دو بادشاہون کے نام آتے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہرامشاہ غزنوی نے ۵۴۷ھ مین

اور سنجر سلجوقی نے ۵۵۲ھ میں وفات پائی ہے، اور ان کے بعد دوسرے سلاطین دونون خانوادون مین تخت نشین ہوئے ہین، اگر وہ دوسرون کا زمانہ بھی پاتے تو ان کے نام کے قصائد بھی سنائی کے کلام مین مل سکتے،

حکیم کے کلیات مین غزنویہ اور سلجوقیہ کے صرف ایک ایک بادشاہ کے نام کے قصیدے ہین، غزنویہ مین سلطان بہرامشاہ کے نام کے اور سلجوقیہ مین سنجر کے،

سلطان ہمہ مشرق بہرام شہ آنکو ‌‌ ‌ بہرام سپہرش نسزد بندۂ در بر

خسرو خسرو نشان بہرام شہ سلطان حق ‌ ‌ آنکہ بہرام فلک در سطوتش حیران بماند

آفتاب دادو دین سنجر کہ اندر اہر زمان ‌ ‌ اوّل القاب نوشروان ثانی آمدہ است

ان دونون بادشاہون کے زمانے بہت ملے ہوئے ہین، بہرامشاہ کا عہد ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک اور سنجر کا ۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ تک، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی نے اول تو درباروں تک دیر مین رسائی پائی ہے اور پھر ایک ایک بادشاہ سے زیادہ اپنا مربی نہین پایا،

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ سنائی نے ۵۴۷ھ کی وفات کی صورت مین اپنے مربی و محسن بہرامشاہ کو ۵۴۷ھ مین اور سنجر کو ۵۵۲ھ مین مرتے ہوئے سنا لیکن اُن کے اس سانحہ پر غم و حسرت کے دو قطرے بھی نہ بہائے، یہ تعجب خیز ہے درانحالیکہ معزّی شاعر کے سنجر کے ہاتھ سے اتفاقیہ مارے جانے پر وہ آنسو کے چند قطرے گراتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان بادشاہون کی وفات کے وقت شاعر زندہ ہی نہ تھا،

۵۲۵ھ کی تاریخ وفات بھی کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے،

۱- سنائی نے اپنی دوسری مثنوی طریق التحقیق جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۵۲۸ھ مین لکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ۵۲۸ھ تک تو یقیناً زندہ تھے،

۲- حدیقہ کے بعض نسخون مین اس کا ۵۲۴ھ سے لیکر ۵۳۵ھ تک اور بعض کے رو سے ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ تک تصنیف ہونا پایا جاتا ہے،

۳- سنائی نے امیر معزّی شاعر کے مرثیہ مین جس نے ۵۴۲ھ مین سلطان سنجر سلجوقی کے اتفاقی تیر سے زخم کھا کر وفات پائی ہو، چند قطعے لکھے ہین، جنمین ایک کو آذر نے اپنے آتشکدہ مین درج کیا ہے، (ص۱۵۳ بمبئی)[1]

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است ‌ ‌ در ماتم طبع طرب افزاے معزّی

از حسرت دُرہاے یتیمش چو یتیمان ‌ ‌ بنشست عطارد بمعزای معزّی

اور دوسرے کو مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ مین نقل کیا ہے،[2]

تا چند معزّاے معزّی کہ خدایش ‌ ‌ زینجا بفلک بردو قبائی ملکی داد

چو تیر فلک بود قرینش سرہ آورد ‌ ‌ پیکان ملک برد، بہ تیر فلکی داد

اس سے معلوم ہوا کہ ۵۴۲ھ تک سنائی کی وفات نہین ہوئی تھی، اور ۵۴۷ھ مین وہ وفات پا چکے تھے ورنہ اپنے محسن و مربّی بہرامشاہ کا مرثیہ ضرور کہتے، اب ان دونون تاریخون کے بیچ مین انکی وفات کا سال ہوگا، اور یہ وہی ۵۴۵ھ ہے، جس مین کاشانی نے انکی وفات بیان کی ہے،

ان تفصیلات کا نتیجہ یہ ہے کہ حکیم سنائی کی ولادت کا سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۵ھ اور وفات کا سال ۵۴۵ھ قبول کیا جائے، اس حساب سے انکی پوری عمر اکاسی برس کی ہوگی، اور اگر ۵۳۴ھ کو حدیقہ کا سال تصنیف مانا جائے، تو دس گیارہ برس عمر اور کم ہو جائیگی،

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستوفی قزوینی صاحب گزیدہ کا انکو سلطان ابو سعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ کا معاصر بتانا قطعی غلط ہو، نیز حضرت جامی کا یہ فرمانا کہ انھون نے سلطان محمود المتوفی ۴۲۱ھ کی مدح لکھی تھی درست نہین، اسی لیے دولتشاہ نے اپنے تذکرہ مین اس مدح مذکور کا سلطان محمود کے بجاے سلطان ابو اسحاق ابراہیم غزنوی (۴۵۱ھ - ۴۹۲ھ) کی شان مین ہونا ظاہر کیا ہے، جو قرین قیاس ہو سکتا ہی، مگر اس نام کا کوئی قصیدہ شاعر کے مطبوعہ بمبئی کلیات مین مجھے نظر نہین آیا، لیکن چونکہ یہ شاید منتخب ہے اس لیے پورے استناد سے نہین کہا جا سکتا،

---

[1] لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص۲ گب و آتشکدہ آذر ص۱۵۳ بمبئی، فہرست مخطوطات انڈیا آفس (حدیقہ سنائی ص۵۱۶)

[2] حواشی چہار مقالہ ص۱۵۱ گب،

فلسفۂ فقراء

یعنے

سائنس اور تصوّف

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۲)

۶۔ جان و بیجان

۱۔ پروفیسر سر جگدیش بوس پکے ویدانتی ہین، جن کا مشہور و معروف انسٹیٹیوٹ (دار التجربہ) ویدانتی اصول پر قائم ہے، اون کے اختراعات ایجادات و تصانیف نے سائنس کی دنیا مین ہند کے علم و ہنر کا سکہ دوبارہ رائج کر دیا، اونھون نے صوفیا کے بعض دعوون کو نطقی یا لفظی طور سے ثابت کرنے پر اکتفا نہ کر کے، خود اون کا مشاہدہ بروز روشن کرا دیا ہے، مثلاً اونھون نے اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کو کلکتہ مین ایک ایسا آلہ بتایا جس سے ہم سب کو نظر آیا کہ درخت بھی مانند انسانون کے سوتے جاگتے خوش اور رنجیدہ ہوتے ہین، گویا اون مین بھی ایسی جان ہے، جس کی نوعیت مین اور ہماری جان کی نوعیت مین کچھ فرق نہین، البتہ درجہ کا فرق تو ضرور ہے، سر جگدیش نے بہت سال قبل یہ بھی اپنے ایجادی آلات سے بتا دیا کہ پتھرون مین علی العموم جمادات مین جنکو ہم بے جان سمجھتے رہے ایک درجہ کی جان ہے، جس سے وہ خاص خاص ہیجات کے عجیب نمونے ہین یعنی چند خاص خارجی حرکتون کا جواب دیتے ہین، جو حیات کی علامت ہے، اگرچہ تیرہ سو سال کی ترقی علم و ہنر کے بعد بھی سائنس روح کیا ہے بیان نہین کر سکتا، اگرچہ آج بھی (قل الروح من امر ربی) کے

بغیر گریز نہین، لیکن روح کی موجودگی کے نشانات جو اوس وقت ظاہر تھے، اب بھی ہین، اور ہمیشہ رہین گے، ایسی نشانیون مین کسی فرد کا ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود منتقل ہونا گویا یہان سے وہان تک چل کر جانا اوس فرد مین روح ہونے کی نشانی نہین ہو سکتا، عضویہ (ORGANISM) صاحب عضو ہونا کوئی ایسی نشانی نہین ہے، موٹر کار بھی گھوڑے کی طرح عضویہ عضودار ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے، لیکن موٹر کار جاندار نہین کہی جاتی، گھوڑا جاندار کہا جاتا ہے اسکی کیا وجہ ہے، ؟ گھوڑے مین اور موٹر مین ما بہ الامتیاز جان جو ہے، اوسکی نشانی گھوڑے مین کیا ہے، جو موٹر مین نہین، ؟

اہل سائنس اور نیز صوفیون کے نزدیک دو نشانیان ہین،

۲ - ایک نشانی (الف) حفاظت جسم کی ہے، دوسری نشانی (ب) حفاظت جان کی ہے،

الف - موٹر کار کا کوئی کل پرزہ ٹوٹ جائے یا گھس جائے تو موٹر کار خود بخود اوسکی مرمت نہین کر سکتی، شوفر یا میکانک ہی اوسکو درست کر سکتا ہے، لیکن اگر گھوڑے کو کوئی چوٹ لگے، یا اوسکی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے، تو اوس کے جسم مین کوئی ایسی شے ہے، جو ایک قسم کا لعاب خون سے نکال کر زخم کو مندمل اور ہڈی کو جوڑ دیتی ہے، موٹر کا میکانک ٹوٹے ہوئے اسکرو کو نکال کر دوسرا اسکرو ڈالتا ہے، لیکن گھوڑے کا طبیب ٹوٹی ہوئی ہڈی کو نکال کر دوسری ہڈی نہین ڈال سکتا، فقط اوسکو جوڑ کر گھوڑے کی طبیعت (یعنی جان) پر بھروسہ کرتا ہے، کہ وہ جڑ جائے گی، چند سال قبل لندن کے ایک مشہور معروف ڈاکٹر نے اپنے لکچر مین کہا تھا کہ کوئی حکیم جہان جان نہین وہان اپنی دوا یا علاج سے جان نہین ڈال سکتا فقط یہی کرتا ہے، کہ جہان جان ہو، اوس کی پیٹھ اپنی دوا سے ٹھوک ٹھاک کر دوا کے ذریعہ اوسکو شاباشی دیکر یا اپنے علاج سے اوسکی لجاجت کر کے اوسکو اپنی آپ جلد حفاظت کر لینے یا شفا جلد دے لینے کے کام پر لگا دیتا ہے، غرض گھوڑے مین جان ہونے کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ گھوڑے کا جسم آپ ہی آپ اچھا رکھتی ہے، اپنا زخم خود آپ چنگا کر لیتی ہے، ٹوٹے ہوئے عضو کو خود آپ درست کرتی ہے، اگرچہ اسمین حکیم کے علاج کی مدد ہوتی ہے، لیکن اگر خود طبیعت مین مدد لینے کا رجحان یا مادہ نہ ہو تو علاج کارگر نہین ہوتا،

ب - علیٰ ہذا القیاس دوسری نشانی حیات کی یہ ہے کہ موٹر کار کے راستہ مین اگر دفعتہً کوئی گڑھا سامنے آجائے

تاوقتیکہ شوفر اوس کو بریک ڈال کر نہ روکے موٹر کار خود بخود نہیں رک سکتی بخلاف اس کے اگر گھوڑے کے سامنے اچانک کوئی گڈھا آجائے تو وہ خود بخود جھجک کر رک جاتا ہے، سوار جسکو غار نظر آتا ہو، وہ اوسکو اگر بڑھانا چاہے، تو بھی گھوڑا لوٹ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موٹر کار میں اپنے آپ کو خطرہ سے روکنے کا اختیار نہیں ہے لیکن گھوڑے میں ایسا اقتدار موجود ہے یہی دو نشانیاں حفاظت خود اختیاری کی جانداروں میں ہیں اون کو اور ایسے دوسرے چند معمولی امور مثلاً چلنے پھرنے سوتے جاگنے وغیرہ وغیرہ کو پروفیسر آئین اسٹین اپنے (نظریہ تناسبہ) کے لئے واقعات زمان و مکان کہتے ہیں، صوفی اپنے تصوف کے اغراض کے لئے حادثات جسم و جان کہتے ہیں،

الغرض ظواہر = واقعات زمان و مکان = حادثات یا حوادث جسم و جان سے مراد ہے:۔

(۱) شی مثلاً پتھر شجر بشر (۲) حالات شی مثلاً گرمی سردی بخار درد سر اور (۳) باہمی تعلقات اشیاء پس روزانہ گفتگو کی زبان میں (۱) کو ذات فرض کر کے (۲) اور (۳) اوس کے صفات سمجھے جاتے ہیں لیکن ذات کیا چیز ہے بیان کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہے دیکھو فصل ۹ دفعہ ۳

۷- واقعاتِ زمان و مکان

(۱)- (عرصہ) مرور زمانہ یعنی وقت کس قدر گذرا، اوسکی پیمایش گھڑی سے ہوتی ہے جب ڈائل کی مدور سطح پر گھڑی کی بڑی سوئی ایک چکر لگاتی ہے، تو اوس کو ایک گھنٹہ کہتے ہیں، جب اوسکی چھوٹی سوئی ایک چکر ڈائل کی سطح پر لگاتی ہے، تو اوس چکر کو دوار کہتے ہیں، ڈائل کی مدور سطح دراصل مسافت یا مکان ہے، اس مکان میں چکر لگانے والی سوئیاں بتاتی ہیں، کہ وقت کسقدر گذرا، پس وقت TIME کا اندازہ زمانہ کی پیمایش سطح ڈائل SPACE سے ہوتی ہے ایسا ہی طے مسافت DISTANCE ایک مقام یا مکان سے دوسرے مقام یا مکان تک کتنی دوری ہے، اوسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے میں کتنے میل طے کئے گئے، مسافت کی پیمایش وقت سے ہوتی ہے، چنانچہ مسافت یا مکان کی پیمایش زمان سے ہوتی ہے، اور زمان کی پیمایش مکان سے ہوتی ہے، زمان

مکان سے ایک دوسرے کے لازم و ملزوم گویا توام ہیں، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، ان دنوں بعض اہل سائنس زمان کو ایک ہی عرصہ duration کے دو پہلو تصور کرتے ہیں، پارس یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر برگسان جنکی کتاب creative Evolution نے بیسوین صدی کی فلسفی دنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی، اونھوں نے اپنی تصانیف میں محض عرصہ کو حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، (فصل ۵ دفعہ ۲)

۲- ماہرین طبعیات کے نزدیک تمام ظواہر Phenomena کے بھی دو پہلو زمان و مکان time andspace ہیں جن سے ظواہر کا خارج میں موجود ہونا ہم کو محسوس ہوتا ہے، لیکن دراصل ظواہر کیا ہیں ہم کو معلوم نہیں، پروفیسر آئین سٹین نے ظواہر کا نام "واقعات زمان و مکان" رکھا ہے، اور انھیں سے اپنا ایک نظریہ یوں قائم کیا ہے، کہ ان واقعات زمان و مکان کی پیمایش کے لئے فقط تین مساحات طول عرض عمق کافی نہیں، بلکہ ایک چوتھا مساحہ وقت لازماً اون میں شریک ہے اور رہنا چاہئے ان کا دوسرا مشہور نظریہ تناسبہ RELATIVITY ہنسی مذاق کے قابل ہوتا، اگر وہ اوسکو ہندسی MATHEMATICAL اور نیز اختباری OBSERVATIONAL طور سے ثابت نہ کئے ہوتے وہ نظریہ یہ ہے کہ زید اگر سیدھا کھڑا رہے، تو اوس کے قامت کی درازی اوس کے اس قامت کی درازی سے کم ہوتی ہے جب وہ بچھونے پر چت لیٹا ہو (!!) اسی طرح ایک ہی لاٹھی جب وہ نیچے پڑی رہے جتنی لانبی ہوتی ہے، اوتنی لانبی نہیں ہوتی جب کہ وہ سیدھی کھڑی رہے، (!!) اس نظریہ کا نام آئین سٹین نے (محدود تناسبہ) رکھا ہے، اور نظریہ موسوم بہ (عام تناسبہ) جداگانہ ہے جسکا صرف حوالہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے،

۳- طبعیات کے (محدود تناسبہ) کی صراحت تین لحاظ سے ہوتی ہے،

(الف) پہلا لحاظ تو یہی کہ زمان و مکان توام ہیں، ہمارے ادراک و علم میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے بلکہ ادراک کیلئے لازم و ملزوم ہیں،

(ب) دوسرا مفروضہ اتھر ہے جسطرح سمندروں کا پانی کرۂ زمین کو لپٹا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی کرۂ زمین کو لپٹی ہوئی ہے، ہوا سطح زمین سے اوپر چھ سات میل تک ہی ہے، اوس سے اوپر کیا ہے؟ خلا ہے؟ نہیں کیونکہ خاص

خلا محال ہے، میرے منہ سے آواز جو نکلتی ہے، اوس کو آپ کے کان تک پہنچانے کا ذریعہ جیسی ہوا ہے، ویسی ہی سورج[1] اور تارون سے روشنی جو نکلتی ہے، اوسکو آپ کی آنکھ تک پہنچانے کا ذریعہ ایتھر ہے، جو ایک موہوم و لطیف ترین شی ہے جو تمام عالم کے ہر جسم ہر جرم مین ساری و طاری ہے گویا ایتھر کے بہتے ہوئے بحیرہ مین ہم سب اور ہماری ساری دنیا بہی ہوئی ہے

(ج) تیسرا ہندسی ثبوت ہے، جس کا خلاصہ سرسری طور پر ایک مثال سے یون بتایا جا سکتا ہے، گرمی سے سوکھی ہوئی ندی مین ایک جگہ پانی کا چشمہ بن گیا ہے، اسمین ایک کنول کا پھول سیدھا کھڑا ہے جسکا ڈنٹھل جڑ سے سر تک تین فٹ لانبا ہے، فرض کر لیا جائے، کہ ڈنٹھل ربڑ کے مانند کھچ جا سکتا ہے، لیکن اوسکی جڑ زمین مین ایسی مضبوط گڑی ہے کہ اکھاڑی نہین جا سکتی، اوس ندی مین دفعتہً طغیانی ہوئی، پانی فی گھنٹہ چند میل بہتا ہوا یکدم اس زور سے آیا کہ کھڑے ہوئے کنول کو سلا دیا، لیکن اوسکی جڑ کو اکھیڑ کر بہا نہ سکا، اقلیدس کی شکل عروسی (مقالہ اول شکل ۴۷) کے موافق کوئی مہندس حساب لگا کر آپ کو بتا دیگا کہ پانی کے بہاؤ کے وقت تین فٹ کا کھڑا ہوا ڈنٹھل کھچکر چار فٹ لانبا ہو گیا تھا، پانی کا بہاؤ موقوف ہونے کے بعد ڈنٹھل ربڑ کے مانند سکڑ کر پھر تین فٹ کا ہو گیا، بلکہ پھر ویسا ہی کھڑا ہوا، اوسکی شکل ہندسی ایسی ہوئی تھی

(مشرق)
پانی کے بہاؤ کا رخ (مغرب)
۳ فٹ
کنول کھڑا ہوا
۵ فٹ
ڈنٹھل کے کھچنے کا راستہ
۴ فٹ
جڑ
کنول لیٹا ہوا
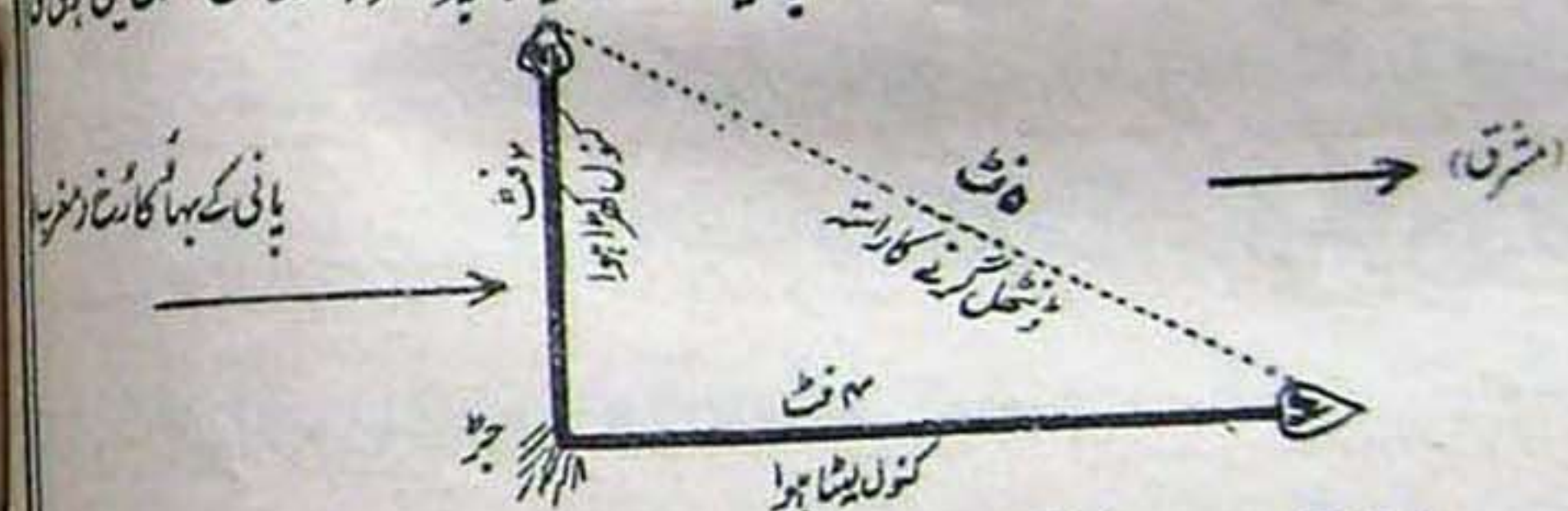
۴ - الغرض (تناسب محدودہ) کا نظریہ اسی قدر ہے کہ ہم سب تمام اجسام و اجرام، ایتھر کی بہتی ہوئی ندی مین رہتے ہین جس کے بہاؤ کا زور ایسا ہے کہ جب ہم لیٹ جاتے ہین، تو کھچکر لانبے ہو جاتے ہین، اگر کوئی لڑکا کھڑا ہوا تین فٹ لانبا ہے، تو جب وہ لیٹ جاتا ہے، تو ایتھر کے بہاؤ کے زور سے کھچکر چار فٹ لانبا ہو جاتا ہے، لیکن خود اوسکو یا دوسرون کو اوس کا کھچنا اور بڑھنا اور گھٹ جانا محسوس نہین ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جس تین فٹ کے گز سے ہم اوس لڑکے کو ناپتے ہین، وہ خود پڑے رہتے وقت کھچ جا کر لڑکے کی ناپ کے برابر چار فٹ کا گز ہو جاتا ہے، ہم کو ایتھر کا بہاؤ بھی محسوس نہین ہو سکتا، کیونکہ ہم مین سے ہر ایک کی پیدائش سے اب تک اوس کا بہاؤ کبھی نہین رکا تاکہ وہ ہم کو محسوس ہو سکے

[1] شمس یا آفتاب کی جگہ لفظ سورج یہان اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ ہر تارا بجائے خود اپنے عالم کے لئے آفتاب ہے،

آئین سٹین کا (عام تناسب) ایتھر کے مفروضہ کو بھی غیر ضروری بتاتا ہے، لیکن اوس کے بیان کی یہان گنجایش نہین،

۵ - آئین سٹین نے اپنے نظریہ سے جو نتائج طبعیات مین تجسم، وزن، کشش ثقل، GRAVITATION یا تجاذب کے بارہ مین نکالے ہین، اون کی صراحت کی یہان ضرورت نہین حتی کہ اوس نظریہ کے تذکرہ کی بھی چندان ضرورت نہ ہوتی، اگر اسی کے مانند صوفیون کا نظریہ تناسب نہ ہوتا، آئین سٹین نے جس طور سے اپنے نظریہ کو ثابت کیا ہے، اوس کا ایک شمہ یہان اس لئے بیان کیا گیا تاکہ قیاس کیا جا سکے کہ اہل تصوف بھی کچھ اسی طرح اپنے نظریہ کو سینہ بسینہ ارشادات سے ثابت کرتے ہون گے، اگلے زمانہ کے صوفی اکثر اوقات طریقہ، تحقیقات یا طرز ثبوت کا بیان ترک کر کے فقط اپنی تحقیقات کے نتیجہ سے کام لیا کرتے تھے، اور اون کے شاگرد اپنے استاذ کا نام لینا ہی اوس نتیجہ کا کافی ثبوت تصور کر لیتے تھے، اس لئے تصوف کے فلسفہ کی بہت سی باتون کی صراحت یا ثبوت کا ریکارڈ اخلاف کے واسطے رہ نہ سکا،

۶ - قبل اس کے کہ صوفیون کا نظریہ تناسب بیان کیا جائے، یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ایک اہم نتیجہ جو آئین سٹین نے اپنے (عام تناسب) کے نظریہ سے نکالا ہے، وہ صوفیون کے نظریہ کے ایک اہم نتیجہ کے موافق ہے اگرچہ اون کا نظریہ زیادہ تر حیاتیات و روحانیات سے تعلق رکھتا ہے، اور آئین سٹن کا نظریہ بالکلیہ طبعیات سے متعلق ہے، پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے، کہ اگرچہ ہمارا عالم بہت ہی وسیع بلکہ لا متناہی پایا جاتا ہے، لیکن دراصل (لاحدلہٗ) لا محدود نہین ہے، جب سمندر کے وسیع رقبہ پر کسی بہت اونچے مقام سے (مثلاً بہت اوپر اڑتے ہوئے ایروپلین سے) نظر ڈالی جائے، تو وہ محدب اوبھرا ہوا گول ہو تا نظر آئے گا، ایسا ہی مکان و زمان مین جس قدر زیادہ وسعت ہوتی ہے اوسی قدر زیادہ وہ اپنے آپ پر پلٹ کر اپنی شکل ایک قسم کی کروی بنا لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک عالم نہین ہے، بلکہ کروڑہا عالم ہین، کیونکہ خدائے تعالی (رب العالم) ہی نہین ہے بلکہ (رب العالمین) ہے، اور جس عالم کے ذرّے ہم ہین، وہ ایسا وسیع ہے جسمین آفتاب سیارے اور ستارے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہین کہ ہر تارے کی روشنی جو ہم کو نظر آتی ہے وہ اُس سے نکلکر ہماری آنکھون تک پہنچنے کے لئے لاکھوں برس سال کا زمانہ گذر جاتا ہے، مسافت و وسعت کی پیمایش اندنون منجمین شمسی سال کو چھوڑ کر "نوری سال" LIGHT سے کرتے ہین، ایسا بڑا عالم بھی غیر محدود نہین ہے، اس کے سوا دوسرے عالم بھی موجود ہین،

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

(۲)

از مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی بہاؤ دین کالج احمد آباد

اس مضمون کے گذشتہ نمبر (صفحہ ۱۱۷ سطر ۱۴) میں "عرش اسلام، قبلۂ مقبل" میں ۹۸۱ھ کے بجائے ۹۷۶ھ تاریخ نکلنے پر کسی حرف کے چھوٹ جانے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی رقم فرماتے ہیں کہ اگر "و" بڑھا دیا جائے تو تاریخ ۹۸۱ھ درست ہو جائیگی اور صحیح مصرعہ یوں ہوگا ع:- عرش اسلام قبلۂ مقبل (قبلہ کے آخر میں ہے جسکے ۵ ہوں گے)

جاگیر و مدرسہ

شاہان گجرات نے آپکے خاندان کو متعدد مرتبہ وجہ معاش کے لئے جاگیریں عنایت کیں، مگر قبول نہ کیا، خود جناب شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہ معاملہ ایک مرتبہ پیش آیا، مگر آپ نے رد کر دیا، آپکے پانچ صاحبزادے تھے، (۱) شاہ محمد جو برہان پور چلے گئے تھے، اور وہیں ۹۹۲ھ میں انتقال کر گئے، (۲) شاہ حامد (۳) شاہ عبد الواحد متوفی ۱۰۳۲ھ (۴) شاہ عبد الحق متوفی ۱۰۴۰ھ (۵) شاہ عبد اللہ ان کی ولادت ۹۳۰ھ میں بمقام احمد آباد ہوئی، جناب شاہ صاحب کی وفات پر اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوئے، علم و تقوی میں اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تھے، ہمیشہ درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت میں مشغول رہے، ۷۰ برس کی عمر میں بمقام احمد آباد ۱۰۰۱ھ میں انتقال فرمایا، ان کے بعد جناب شاہ اسد اللہ ان کے بڑے لڑکے جانشین ہوئے، لیکن جلد انتقال فرما گئے، ۱۰۲۶ھ میں جب جہانگیر احمد آباد آیا، اوسوقت جناب شاہ موصوف کے بھائی، شاہ حمید صاحب سجادہ تھے، جہانگیر آپسے ملکر بہت خوش ہوا، موضع بسودرا اور موضع باریجری اون کے معاش کے لئے بطور جاگیر عنایت کیا، اور موضع دستران، موضع دنتالی اور موضع ہرنا، مدرسہ خانقاہ اور روضہ کے اخراجات کے واسطے بطور وقف ہدیہ کیا، یہ مدرسہ اسی وقت سے ہمیشہ چلتا رہا، اور اس منبع فیض سے ہزاروں تشنگان علم برسوں سیراب ہوتے رہے، مدرسہ کب بند ہوا، اسکے متعلق کوئی صحیح اور یقینی تاریخ معلوم کرنے کا میرے پاس

۱؎ اقبال نامہ جہانگیری سفر گجرات احمد آباد

کوئی ذریعہ اس وقت نہیں ہے، اس سلسلہ کے جو لوگ جو اس وقت موجود ہیں وہ بھی اندازاً کچھ کہہ دیتے ہیں، اتفاقاً چند دن ہوئے کہ دو دستاویزیں میری نظر سے گذریں، ان میں سے ایک کے محرر جناب سید فیض اللہ بن سید اسد اللہ بن سید رحمت اللہ بن سید حسین بن سید عبد العلی بن سید اسد اللہ بن سید شاہ عبید اللہ بن حضرت شاہ وجیہ الدین ہیں، سید فیض اللہ صاحب نے اس دستاویز کے ذریعہ اپنی تمام جائداد اور عہدہ وغیرہ کا متولی اپنے لڑکے سید محمد شجاع الدین صاحب کو بنایا ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، "تولیت نامہ بمہر مغفرت مرتبت حسن محمد خان معروف بعلی محمد خان مرحوم دیوان صوبہ سابق و بمہر غلام حسین خان صدر مغفور"، اور آخر میں تاریخ تحریر ۱۰ شوال ۱۱۸۵ھ ہے، اور اس عہد کے مفتی سید بدر الدین کی جو مہر ہے اس پر ۱۱۹۵ھ کندہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل تحریر تو ۱۱۸۵ھ کی ہے، اور اسکی نقل مفتی موصوف کے عہد ۱۱۹۵ھ میں اس وقت لی گئی، جب سید فیض اللہ صاحب متوفی ۱۱۸۹ھ کے بعد کسی تنازعہ کے سبب ضرورت پڑی ہوگی، اور اسی سبب سے غالباً "دیوان صوبہ علی محمد خان اور غلام حسین خان صدر کو مرحوم اور مغفور لکھا ہے، کیونکہ مفتی صاحب کے عہد سے پہلے یہ وفات پا چکے ہوں گے، میر اگر یہ قیاس صحیح ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ علی محمد خان ۱۱۸۵ھ میں بقید حیات تھے، اور گو سرکاری اعتبار سے وہ دیوان نہ تھے مگر لوگوں میں سابق دیوان کہلاتے تھے، اور کاروبار میں ابھی تک لوگ اون کی مہر اور دستخط سے کام نکالتے تھے، مراۃ احمدی کے مصنف کا نام بھی علی محمد خان محمد حسن ہے، اون کی مہر پر ۱۱۶۷ھ کندہ ہے، وہ اسی عہد میں احمد آباد کے دیوان تھے، اپنی تاریخ گجرات میں ۱۱۷۴ھ تک کے حالات درج کئے ہیں، اور اسی کتاب کے خاتمہ سے ۱۱۷۶ھ تک ان کا زندہ رہنا معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد سے پھر اون کی زندگی کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہوا، اسلئے یہ قیاس کر لیا گیا کہ شاید ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۷ھ میں وفات پا گئے، یہ تولیت نامہ اون کے آخری تحریر کردہ ۱۱۷۶ھ کے نو برس بعد کا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ اونھیں کے عہد کا تحریر کردہ ہو، اور وہ اس وقت تک بقید حیات تھے، مراۃ احمدی میں ان کا نام "محمد حسن" ہے، اور اس تولیت نامہ میں "حسن محمد خان" ہے،

اس محمد کے تقدم و تاخر کے متعلق میرا خیال ہے کہ یا تو کاتب کے جلد نویسی کا نتیجہ ہے، یا ممکن ہو کہ مصنف ہی کے دونوں نام ہوں کیونکہ یہ بالتحقیق معلوم ہے کہ اس عہد میں اور کوئی دوسرا دیوان مقرر نہیں ہوا تھا، کیونکہ

سنہ ۱۱۷۱ھ مین صوبہ دار مومن خان کے چلے جانے کے بعد مرہٹون کا قبضہ ہوگیا، افسوس ہے کہ نقل لیتے وقت اہل مین نے تمام مہرون اور دستخطون کی نقل چھوڑ دی، اگر ان کی بھی نقل ہوتی تو بڑی آسانی سے اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا، اس تولیت نامہ مین جاگیر کے ضمن مین موضع بہرتنگہ (علاقہ منگلور) اور نصف گاؤن "دنتالی" (علاقہ دہ کروئی) مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ۵۵ برس مین تمام جائداد سے صرف اسی قدر باقی رہ گئے، سید فیض اللہ صاحب علوی کا انتقال سنہ ۱۲۰۰ھ مین ہوا،

دوسرا کاغذ بھی تولیت نامہ ہے، محرر کا نام سید شجاع الدین بن سید فیض اللہ ہے، سید شجاع الدین صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ایک لڑکی مسماۃ بو (بوبو، یا بی بی) تھی اوس کا لڑکا یعنی سید شجاع الدین کے نواسہ "عبد اللہ بابا" کے نام یہ تولیت ہے، جس کے ذریعہ سید موصوف نے اپنی تمام جائداد اور عہدہ اپنے نواسہ کے حوالہ کر دیا، اس تولیت نامہ کی ابتدا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، "تولیت نامہ بمہر این خادم شرع شریف و بمہر اعظم حضرت وزارت مرتبت شفیع محمد خان المخاطب بہ علی محمد خان دیوان صوبہ و بمہر میر فیاض الدین صدر" خادم شرع شریف قاضی شیخ الاسلام خان کی مہر پر سنہ ۱۲۱۱ھ کندہ ہے اور آخر تحریر مین تاریخ "۱۱ رمضان سنہ ۱۲۱۹ھ" ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ اس تولیت نامہ کے لکھتے ہی وقت اسکی نقل اصل سے لے لی گئی ہے، اس پر تمام علما و مو فتیہ قاضی و صدر الصدور و دیوان صوبہ کے مہرون اور دستخطون کی نقل موجود ہے، خود سید شجاع الدین علوی کے مہر مین ہے: "از وجیہ الحق مدد خواہد شجاع" جاگیر کے متعلق صرف موضع بہرتنگہ کا ذکر ہے، سید شجاع الدین صاحب اپنے والد سید فیض اللہ صاحب کے بعد اس تحریر کے وقت تک تیس برس متولی رہے، اس قلیل مدت مین موضع "دنتالی" کا نصف حصہ ہاتھ سے نکل چکا تھا، بہرحال، ان دونون تحریرون کے پیش کرنے کا اصل منشا یہ ہے، کہ ہر دو تحریر مین مسجد مدرسہ خانقاہ کا ذکر ہے، اور انھین کی تولیت ان کے سپرد کی گئی تھی اگرچہ یہ تحریر سنہ ۱۲۱۹ھ کی ہے لیکن سید شجاع صاحب کی وفات سنہ ۱۲۳۶ھ مین ہوئی ہے، اس لئے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مدرسہ سنہ ۱۲۳۶ھ تک قائم تھا اور غالباً سید شجاع الدین صاحب

آخری عالم ہین جن سے مدرسہ کو رونق رہی،

کتبخانۂ مدرسہ

جناب شاہ صاحب کا کتبخانہ بہت بڑا تھا، اور شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کے متعلق کوئی کتاب یہان نہ ہو، زمانۂ حال کے لوگ راوی ہین کہ اون کے بزرگ فرماتے تھے کہ مین نے اپنی آنکھون سے کتبخانہ کو دیکھا ہے، دو بڑے کمرون مین از فرش تا سقف بے ترتیبی اور بے احتیاطی کے ساتھ کتابین بھری تھین، راقم الحروف بھی جب سنہ ۱۹۲۱ء مین اس کتب خانہ کو دیکھنے گیا، تو متعدد بڑے بڑے صندوقون مین کتابین بے ترتیبی سے پڑی تھین، چند دن کی پیہم کوشش کے بعد مین نے ان کتابون کے اوراق منتشر کو مجتمع کرکے باترتیب رکھوا دیا تھا، لیکن اب سنہ ۱۹۳۱ء مین وہان گیا ہے کچھ کتابین تو احباب کی نذر ہوئین، کچھ عربی کتابون کو مجاورنے قرآن سمجھا، اور کمال دانائی سے بغرض ثواب ان کرم خوردہ کتابون کو قد آدم زمین کھود کر دفن کر دیا، باقی کرم خوردہ کتابین دریائے سابرمتی کی نذر ہوئین، کچھ تھوڑی سی کتابین جناب سید پیر حسینی صاحب مصنف تذکرۃ الوجیہ اور جناب بڑا میان صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہین،

شاہ صاحب کی تصنیفات

آج ہم یقینی طور پر کچھ نہین کہہ سکتے کہ آپ کی تصنیفات کل کتنی تھین لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ان مین سے ایک بڑی تعداد تو ضائع ہو چکی ہے اور دست برد زمانہ سے جو رہ گئی ہین، شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو، تلاش اور تفحص سے مندرجۂ ذیل کتابین دستیاب ہوئی ہین، جو موقت کتبخانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہین،

(۱) حاشیہ علی التلویح، (۲) حاشیہ علی شرح المواقف (۳) شرح جام جہان نما (تصوف) (۴) حاشیہ شرح مختصر التلخیص (۵) الرسالۃ المسماۃ بالاسکندریہ (مبحث ما انا قلت) (۶) رشاد شرح الارشاد (نحو) (۷) حاشیہ علی العضدی جناب شیخ محمد غوث گوالیاری (قس) کی کتاب "کلید مخازن" پر مختلف شرحین لکھی گئی ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح لکھی ہے، کتبخانہ مذکور مین مختلف شرحین موجود ہین، جن مین سے ایک شرح ایسی ہے، کہ جسکے متعلق متعدد وجوہ کے بنا پر میرا خیال ہے کہ وہ جناب شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے،

توضیح تلویح اصول فقہ مین مشہور درسی کتاب ہے، مختلف علما نے اپنے نقطۂ نظر سے اوسکی شرح اور حواشی

تحریر کئے ہیں، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک حاشیہ لکھا ہے،

حاشیہ علی التلویح، یہ کتاب ابتداء سے آخر تک خط نسخ میں ہے، ۱۴×۹ تقطیع ہے، ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک حروف میں ہیں، باقی معمولی تصنیف سے تقریباً سوا سو برس بعد سنہ ۱۱۲۰ھ میں اس کی کتابت ہوئی ہے، اسکی ابتداء ان جملوں سے ہوتی ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم رب یسر وتمم بالخیر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اور اختتامی جملہ یہ ہے، ھذا آخر الکتاب بعون الملک الوھاب والحمد للہ علی اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ جہان جہان اصل کتاب کا حوالہ ہے وہان سرخی سے قولہ لکھدیا ہے، مختلف مقامات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ہر جگہ تشریح کرتے وقت طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی بے حد کوشش کی گئی ہے، مثلاً حقیقت ومجاز کی بحث میں ایک جگہ صاحب تلویح نے لکھا ہے "ففیہ نظر" اس نظر کے پیچیدہ مطالب کو جناب شاہ صاحب نے "حاصل النظر" کے عنوان سے بہت سہل عبارت میں تحریر فرمایا ہے، تاکہ طالب کو بار بار زیادہ بار نہ پڑے، پھر اس نظر کا جو جواب دیا جاتا ہے، اوسکو تحریر فرماکر "حاصل الجواب" کے عنوان سے اس کی تشریح فرماتے ہیں، سید شریف جرجانی کا اس پر اعتراض نقل کرکے پھر خود اپنا جواب تحریر فرماتے ہیں، اس مثال سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں، کہ جناب شاہ صاحب کا اس طرز تحریر سے اصل منشا کیا تھا، اور کس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں، زیر تنقید نسخہ مصنف کے خود نوشتہ نسخہ سے منقول ہے اور حاشیہ پر ہر جگہ تصحیح کی گئی ہے،

حاشیہ علی المواقف، اس مشہور کتاب کے مصنف قاضی عضد الدین عبد الرحمن ہیں، جسکی شرح علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کی ہے، پھر متعدد علماء نے اس پر حواشی لکھے، ہند میں زیادہ تر مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ رائج ہے، آج سے پچیس برس قبل مصر سے جو نسخہ شائع ہوا تھا، اس میں ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے ساتھ ملا حسن چلپی کا بھی حاشیہ ہے، موجودہ زیر تنقید نسخہ افسوس ہے کہ آخر سے ناقص ہے، اور بڑا حصہ کتاب کا ضائع گیا ہے، ۱۴×۱۰ تقطیع ہے، معمولی خط نسخ میں ہے اسکی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:- بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب وفقنا نتمم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین سبحان جمالہ عن وصمۃ الحدوث" اور آخری فقرہ یہ ہے، وذالک لاعتبار لا یعنی ان الاحوال یتکلف" یہ غیر مختتم جملہ نصف صفحہ پر ختم ہوگیا جس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ یا تو یہ کتاب اسی قدر اصل نسخہ سے نقل کی گئی ہے، یا بقیہ اجزاء ضائع گئے، خدا جانے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی جگہ ہے بھی یا ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگیا، مطبوعہ کتاب کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ "المرصد الرابع فی اثبات العلوم الضروریہ" تک ہی،

اس بات سے تو ہر اہل علم واقف ہے کہ یہ کتاب علم کلام کی معرکۃ الآراء کتابوں میں سے ہے، اور اسی لئے اسکی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے گئے، جناب شاہ صاحب کا طریقۂ بیان اس کتاب سے بھی واضح ہے، ہر جگہ حاصل الکلام حاصل الجواب وغیرہ کے عنوان سے مطالب کی تشریح کی ہے، اور پیچیدہ عبارت کو آسان اور سہل طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن جہان کہیں ذات واجب الوجود کے متعلق کوئی تذکرہ آجاتا ہے، تو الفاظ شاندار اور معانی خیال بہت بلند ہوجاتے ہیں، اور صاف معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کا ذوق وشوق رہبری کر رہا ہے، مثلاً کتاب کے ابتدا میں ہے:-

سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث

وتنزھت سرادقات جمالہ عن وصمۃ

التغیر والانتقال.

افسوس ہے کہ اس کتاب میں نہ تو کاتب کا نام ہے، اور نہ سنہ ہی تحریر ہے، کہ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ کب کی تحریر ہے،

شرح جام جہان نما، جام جہان نما تصوف میں مشہور متن ہے اسکے مصنف محمد بن عز الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور بہ شیرین ہیں، ۸۵۰ھ کی تصنیف ہے، عام صوفیوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اوسکی مختلف شرحیں لکھی گئیں، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح تحریر فرمائی ہے اس کے دو نسخے اس کتاب خانہ میں موجود ہیں، پہلا

نسخہ کتابی صورت مین ۱۲/۸ تقطیع پر ہے، سرخ جدول سے محدود ہے، جہان متن کی اصل عبارت ہے، وہان سرخ خط کشیدہ ہے، یہ کتاب مختلف اہل علم کے ہاتھون مین رہی ہے، کیونکہ مختلف اشخاص کے حواشی موجود ہین، سب سے زیادہ حاشیہ ملا احمد بن سلیمان کا ہے، جو اس عصر کے مشہور علما مین سے ہین، اسکی تصحیح اور بعض حواشی ملا علی پیر کے ہین، مولوی عبد العزیز جناب شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ مین سے ہین، کہین کہین ان کے بھی حواشی ہین، اگرچہ یہ نسخہ کامل ہے، مگر آخری اوراق کرم خوردہ ہونے سے معلوم نہ ہو سکا کہ کس سنہ کا ہے، اور کس نے لکھا ہے، خط صاف خوشخط اور نسخ مین ہے، حاشیہ پر ملا احمد بن سلیمان کا جو خط ہے، اس سے بہت مشابہ ہے، اسلئے اغلب ہے کہ ملا احمد ہی کا لکھا ہوا ہو،

دوسرا نسخہ ۱۰/۵ تقطیع پر ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بطور مسودہ نقل کیا ہے، یہ بھی کامل نسخہ ہے اور جگہ جگہ سے تصحیح شدہ ہے، یہ کتاب فارسی زبان مین ہے اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب یسر وتمم بالخیر" پھر متن کی عبارت منقول ہے جسکی ابتدا یون ہوتی ہے "حمد بے حد وشکر بے عد سزائے ذاتی کہ وحدتش منشاء احدیت و واحدیت شد" اس کے بعد اسکی شرح اس جملے سے ہوتی ہے "یعنی وحدت کہ اصل قابلیات جمیع اشیا است احدیت و واحدیت از ناشی است" اس کتاب کا اختتام اس فقرہ پر ہوتا ہے، "کہ ترک قیل وقال واستغراق در حق است و صفات حق ذاتہ ذاتہ صفاتہ صفاتہ افعالہ افعالہ درشئی است تمام شد" اس کتاب کا موضوع علم التوحید ہے، اور اوسکے ابواب کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقہ سے کیگئی ہے،

کتاب کے دو حصے ہین، ہر حصہ کا نام دائرہ ہے، اور ہر دائرہ مین دو قوس اور ایک خط ہے، دائرہ اول مین مندرجہ ذیل مضامین ہین:۔

احدیت واحدیت وحدت، اعتبار، وجود، علم، شہود، نور، تعین، یا تجلی اول،

دائرہ دوم کے مضامین حسب ذیل ہین:۔

ظاہر وجود (باصطلاح فلاسفہ واجب الوجود) ظاہر علم (باصطلاح فلسفی ممکن الوجود) برزخیت (باصطلاح مذکور حقیقت انسانی یا روح) تعین یا تجلی ثانی،

افسوس ہے کہ جو شرح جناب شاہ صاحب نے لکھی ہے اوسکی ابتدا مین کوئی مقدمہ تحریر نہین فرمایا، جیسا کہ ابراہیم شطاری جنت آبادی نے لکھا ہے، جس کے سبب سے اس شرح سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جو اس فن سے کامل آگاہ ہو، مضامین کے تنوع اور اوسکے غوامض سے ناظرین خود آگاہ ہین، اسلئے بعض مقامات سے صرف اقتباس دیتا ہون، جس سے جناب شاہ صاحب کے طرز تحریر کا آپ خود اندازہ کرلین گے، مثلاً ایک مقام مین متن کی عبارت یہ ہے، "کہ وافعال کہ شامل ظاہر وجود است کہ وجوب وصف خاص اوست وشامل علم ظاہر است کہ امکان از لوازم اوست وشامل حقیقت انسان است کہ برزخ است، بین الامکان والوجوب" اس عبارت کی تشریح مین جناب شاہ صاحب نے انسان کو خلیفۃ الٰہی بہت مختصر اور جامع طریقہ سے ثابت کیا ہے،

اب اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتین ذہن نشین ہوجائین، تو سمجھنے مین آسانی ہوگی، صوفیون کے نزدیک وجود مطلق کا نام حق ہے، اور اسی کو حقیقۃ الحقائق اور احدیت بھی کہتے ہین، وجود مطلق جب تنزلات کے مرتبہ مین آئے تو اوسکو "ظہور" کہا جاتا ہے اور یہ ظہورات تعین ذاتی کے اعتبار سے شیون کہلاتے ہین، جو بے حساب اور بے شمار ہین، اسی کو قرآن پاک نے یون ادا کیا ہے، "کل یوم ہو فی شان" اور شیون کی مثال محسوسات کے ذریعہ ٹھیک تخم شجر کی ہے، جسمین عظیم الشان شجر بننے کی قابلیت موجود ہے، اور حقیقت وجود بہ شرط شی جو اسماء و صفات ہین، اون کو مرتبہ واحدیت والوہیت کہتے ہین، اور حقیقت وجود بہ شرط لاشی کا نام احدیت رکھتے ہین، اور حقیقت وجود نہ بشرط شی اور نہ بشرط لاشی ہو ایسی مساوی الطرفین ذات کو باصطلاح صوفیہ تجلی اول یا تعین اول کہتے ہین اور فلاسفہ علم یا عقل اول اور یہ تجلی اول جب کسی تعین جزئی کے ساتھ مخصوص ہو تو اوسکو صفت کہتے ہین، عام اس سے کہ یہ صفت وجودی ہو، جیسے علیم، قدیم وغیرہ یا سلبی ہو جیسے قدوس سلام وغیرہ، پھر تجلی اول نے بہ تعین مخصوص علیم

مرید، قدرت، بصیر، سمیع، متکلم، حی کی صورت اختیار کی تو ان صفات سبعہ کو "امہ صفات" کہتے ہین، پس وجود مطلق جب ان کُل صفات کے ساتھ تنزلات کا مرتبہ اختیار کرے، تو پانچ مرتبون کا ظہور ہوتا ہی،

(۱) مرتبہ احدیت (۲) مرتبہ ارواح مجردہ (یا عالم جبروت) (۳) نفوس عالمہ (جیسے عالم مثال (۴) مرتبہ شہادت وحس (جیسے عالم ملک) (۵) مرتبہ کون جامع یعنی انسان کامل جو کل مجموع تنزلات ہے"،

اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب جناب شاہ صاحب کی تشریح ملاحظہ ہو، وحدت، کثرت، وجوب وغیرہ کی مختصر بحث کے بعد تیسرے جملہ کی تشریح یون فرماتے ہین، کہ ان صوفیون کے نزدیک مرتبہ وجوب ہونا اسمائے الٰہی کلی سے مراد ہے، جو ۹۹ ہین، جیسے بدیع، باعث وغیرہ، اور امکان وجود سے مراد "اسمار کونی" ہین جو وہ بھی ۹۹ ہین، جیسے عقل کل طبیعت کل وغیرہ اور وجوب وامکان کے درمیان جو مرتبہ وسط ہے، اوسکو برزخ کہتے ہین: اور یہی حقیقت انسان ہے، کیونکہ انسان تمام حقائق ملک و ملکوت وجبروت کو شامل ہے، اور چونکہ انسان اس حیثیت سے کہ وہ کامل تمام مراتب الٰہی اور جامع تمام تنزلات کونی کا ہے اسی سبب سے وہ نائب اور خلیفۃ اللہ ہے یہی معنی خلافت الٰہی کے ہین،، اسی طرح آگے چل کر صفحہ ۹ پر حقیقت محمدیہ بیان فرماتے ہوئے فکان قاب قوسین کی جو تشریح قوس احدیت اور قوس واحدیت کے ضمن مین کی ہے، وہ بے انتہا لطیف ہے، اور اہل ذوق کے لئے باعث حظ، جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہین،

رسالہ انسکریہ — اس رسالہ کا نام رسالہ انسکریہ فی اجوبۃ الطفقھیہ لمولانا علی قوشجی علی بحث ما انا قلت فی المطول ہے، جو صرف ۱۵ اوراق کا ۱۲/۸ تقطیع پر ہے، معانی وبیان پر تلخیص المفتاح جلال الدین محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی متوفی ۷۳۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے، مولینا علی قوشجی نے بحث ما انا قلت پر چند اعتراضات کئے تھے، یہ رسالہ اون کے جواب مین ہے، میر ہاشم صاحب جو خود بھی بڑے عالم تھے، اونھون نے بھی اس مبحث پر ایک رسالہ لکھا ہے اس کتاب پر جا بجا اون کے حاشیے بھی ہین، کاتب کا نام محمد یوسف ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. قال صاحب لا یضاح ویقدم المسند لیفید التقریر تخصیصہ بالجز الفعلی. اور اختتام ان جملون پر ہے، ھذا ما تیسر لی ھو المیسر لکل عسیر و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب،، یہ رسالہ ۹ مبحث پر منقسم ہے، جن مین سے بعض بہت ہی مختصر اور بعض طویل ہین، طرز تحریر یہ ہے کہ پہلے نفس تلخیص کے اصل مسئلہ کو لکھا ہے، پھر سید شریف جرجانی کا اعتراض نقل کر کے علامہ قوشجی کا نظریہ بیان فرمایا ہے، اور آخر مین اپنا جواب تحریر کیا ہے، جہان علامہ قوشجی کا اعتراض شروع ہوا ہے وہان سرخی سے "قولہ" ہے، اور جس جگہ سے جواب دیا ہے، اوسکی ابتدا "اقول" سے ہوتی ہے، اس مبحث پر تین اور رسالے اسی کے ساتھ مجلد ہین، رسالہ مولانا علی قوشجی، رسالہ ملا عبد الغفور، رسالہ میر ہاشم. افسوس ہے کہ ان مین سے کسی پر سنہ تحریر نہین ہی، اور بد قسمتی سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس رسالہ کا نام "انسکریہ" کیون رکھا، اور کس مناسبت سے؟ میرا ذاتی خیال ہے، کہ جناب شاہ صاحب کا ایک دوسرا رسالہ "انکریۃ" ہے، جو غالبًا "انکار" سے ہے، جس مین ایک کفر کے فتوی کی تردید کی ہے کاتب نے اسی لفظ کو "انسکریہ" سے تبدیل کر دیا، ضرورت ہے کہ یہ لآلی شاہوار جلد تر شائع ہو جائین، تاکہ کم از کم ضایع ہونے سے محفوظ رہین،

حاشیہ علی المختصر المعانی — یہ کتاب بھی ۱۲/۸ تقطیع پر ہے، اوسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. قولہ اداء الحق منی متما یجب علیہ. اور اختتام یون ہے، قولہ کانہ قنا ابن الھجا، القنا جمع قناۃ وھی الرمح. والفیلق الجیش قد وقع من تحشیۃ سلطان المحققین افضل المدققین اشرف المتورعین ملجا السالکین. الشیخ وجیہ الحق والدین. کاتب کا نام نہین ہے، تاریخ بھی نہین ہے، فقط اس قدر لکھا ہے. فی شھور رمضان سنہ من الھجریۃ النبویۃ حاشیہ پر جا بجا اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے، جہان اصل کتاب سے نقل کیا ہے، اوسکو سرخی سے "قولہ" کے لفظ سے ممتاز کر دیا ہے، چونکہ مختصر المعانی مصنفہ سعد الدین تفتازانی مشہور کتاب ہے، جو تلخیص المفتاح کی شرح ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور عمومًا متوسط درجہ کے طلبہ اسکو پڑھتے ہین، اس لئے اس حاشیہ مین طلبہ کے لئے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، معانی کا بیان مغلق

الفاظ کی تشریح، مطالب کی توضیح کا خاص خیال رکھا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے، کہ دسوین اور گیارہوین صدی کا طریقۂ تعلیم کیا تھا، اس عہد مین نفس فن پر بہت کم لوگ توجہ کرتے تھے، متون کی شرحین، شرحون کے حواشی، اور حواشی پر حاشیہ اس عہد کا بہترین کارنامہ ہے، متن پر اعتراض، شرح پر اعتراض، اور اوس کا جواب پھر اس جواب پر اعتراض اور اس کا جواب کہین خفیہ نظر، کسی جگہ فتامل کی تشریح کو اصل کارنامہ سمجھا جاتا تھا، زمانہ کے اثر سے جناب شاہ صاحب بھی بہت متاثر نظر آتے ہین، اور جگہ جگہ اوسکو کھول کر طلبہ کے فہم کے مطابق بیان فرماتے ہین، قطب الدین رازی، سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی نے جو روش اختیار کی، ما بعد کے تمام علما متاخرین قدم بہ قدم اوسکی پیروی کرتے آئے،

ارشاد و شرح الارشاد

نحو مین الارشاد نام ایک کتاب قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زاولی دولت آبادی کی ۸۴۹ھ کی تصنیف ہے، جناب شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھی ہے، اور اس کا نام "رشاد" رکھا ہے، اور مشہور ہے کہ جناب شاہ صاحب کی یہ پہلی تصنیف ہے، یہ کتاب میری نظر سے نہین گذری، البتہ شاہ صاحب کی شرح "یعنی رشاد" پر ملک محمد بن ملک پیر محمد صاحب کا حاشیہ متوسط تقطیع پر ۱۹۰ صفحے کا ہے، اس سے مین اندازہ کرتا ہون کہ غالباً شرح اس سے زیادہ ضخیم یا کم از کم اسکے قریب ہوگی اور عام فہم ہوگی،

حاشیہ علی العضدی

یہ کتاب ۸۰/۱۶ تقطیع پر خط نسخ مین ہے، صفحات ۱۳۱ ہین، اسکی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ نستعین الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ سید نا الخلق وکل الانبیاء والمرسلین قولہ وبھذا الاعتبار یندرج فی الادلۃ السمعیۃ" سے ہوتی ہے، اور اختتام ان فقرون پر ہے، فیرجع الظن لا التصدیق بان ھذا احدہ لا ان نفس الحد ظنی۔ تمت تمت

یہ کتاب رجب ۱۰۱۰ھ کی لکھی ہوئی ہے، یعنی شاہ صاحب کی وفات کے ۱۲ سال بعد کی ہے، کاتب کا نام کبیر محمد بن شاہ محمد ہے، لیکن کتاب کے اندر خط دو قسم کے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اصل کتاب سے کچھ

۱؎ مجموعہ حالات شاہ وجیہ الدین مصنفہ عبد المنعم مطبوعہ شہابی بمبئی، ص ۲۳،

ضائع ہو جانے کے بعد دوبارہ تحریر کرایا گیا ہے، ابتدا مین اور چند دوسری جگہون مین خوشخط ہے، اور آخری صفحات مین معمولی، اور یہی معمولی کبیر محمد صاحب کا تحریر کردہ ہے، سطرین عموماً ۲۰ اور ۲۲ ہین، کاغذ باریک چکنا، اغلباً احمد آبادی ہے، "عضدیہ" چند صفحے کا ایک چھوٹا رسالہ فن مناظرہ مین ہے، جس کے مصنف عضد الدین احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ ہین، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ متعدد علماء نے اس کی شرحین اور پھر شرحون کی شرحین لکھین، بعد کے علماء نے پھر ان پر حواشی کا اضافہ کیا، متعدد شروح و حواشی اس کتب خانہ مین موجود ہین، حنفیہ شرح عضدیہ، شرح عضدیہ مصنفہ مولٰینا عصام الدین، حاشیہ علی الحنفیہ مولفہ میر ابو الفتح، ملحیہ حاشیہ علی حنفیہ مولفہ مولانا باقر، تلخی فریدیہ حاشیہ عضدیہ مصنفہ مولانا فرید الدین، حاشیہ عضدیہ مولفہ جناب شاہ وجیہ الدین صاحب وغیرہ،

حاشیہ بیضاوی

یہ حاشیہ بے حد مقبول ہوا، دسوین اور گیارہوین صدی مین عرب و شام مین عام طور پر زیر درس تھا، لیکن فی الحال نایاب ہے، روضۃ الاولیاء کے ص۳ مین درج ہے، کہ "یہ کتاب مدراس مین محمد عبد اللہ بن ناصر الدین عبد القادر کے پاس موجود ہے" مین جب مدراس مین تھا، تو جد و جہد کے باوجود بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عبد اللہ کون ہین اور کس جگہ ان کا مقام ہے، اب خیال آتا ہے کہ شاید یہ عبید اللہ "عبید اللہ صاحب سابق قاضی شہر مرحوم مغفور" تو نہین ہین، قاضی صاحب موصوف کے صاحبزادے ہی اس عقدہ کو حل کر سکتے ہین، جو خود بھی صاحب فن و صاحب علم و متقی بزرگ ہین، اور مدراس مین کافی اثر رکھتے ہین،

بہرحال اس وقت کتب خانہ مین بیضاوی پر جو حاشیہ ہے، وہ مظہر الدین محمد گازرونی کا ہے، اور شاہ صاحب نے بدست خود اوسکو نقل فرمایا ہے، آخری عبارت یہ ہے، "کتب الحواشی التی علی تفسیر البیضاوی المولی المحقق مظہر الدین محمد گازرونی، اضعف عباد اللہ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین العلوی وکان الاتمام بدار السلطنۃ احمد آباد وقت الاشراق" اس طرح سے جناب شاہ صاحب کی تحریر کا اصلی نمونہ بھی موجود ہے، ایک اور چھوٹا سا رسالہ ۱۸/۲۲ تقطیع کا میری نظر سے گذرا، اس مین کل بیس صفحے ہین، جناب سید محمد غوث گوالیاری پر جو اعتراضات کئے گئے تھے، اوسکے جواب مین ہے، اسکے

علاوہ اور چند منتشر اوراق بھی ملے ہیں جنمیں سے بعض شرح ملا کا حاشیہ ہے، کچھ اوراق پر شرح وقایہ کا حاشیہ ہے، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر جو حاشیہ تھا، کچھ حصہ اوسکا بھی موجود ہے، فن عروض پر کوئی کتاب تھی، چند اوراق اوس کے بھی محفوظ رہ گئے ہیں، ایک مجموعہ اوراق فن منطق میں ہے اور دوسرا نحو میں بعض خطوط بھی ہیں، لیکن سب ناقص، چند دیگر رسائل بھی قابل ذکر ہیں،

(۱) شرح البسیط للعلوی۔ فرائض میں ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی الافضل من بعث محمد والہ وصحبہ اجمعین، الحمد للہ افتتح الکتاب چوب قلم اور خط نستعلیق ہے، خوش قسمتی سے یہ نسخہ مکمل ہے آخر کے الفاظ یہ ہیں، قد وقع الفراغ من تحریر شرح البسیط لمولانا السلطان العارفین برہان الموحدین حجۃ العاشقین شاہ وجیہ الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز، کہیں کہیں حاشیہ عبدالرحیم صاحب کا بھی ہے، تقطیع ۱۲/۸،

(۲) حاشیۃ العلوی علی شرح النخبہ اصول حدیث میں ہے نسخہ کامل ہے، خط اوس کا نستعلیق ہے ابتدا میں ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمد للہ حمدا یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ. اللھم صلے علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون. وغفل عن ذکرہ الغافلون قال الشیخ الامام والحمد للہ الذی وفقنا وھدانا لھذا وما کنا لنوفق. ونھدی لولا ان لوفقنا"

اس کا ایک نسخہ ناقص از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں بھی موجود ہے،

(۳) حاشیۃ التلویح للعلوی، یہ ضخیم کتاب ہے، گو کامل ہے مگر بوسیدہ بخط نسخ، اسکی ابتدا اس طرح کی گئی ہے، رب یسر وتمم بالخیر وبہ یستعین کل سقیم. الحمد للہ رب العالمین. والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین قولہ احکم بکتابہ اصولہ الشرعیۃ اور آخر میں ہے، ھذا آخر الکتاب بعون اللہ الملک الوھاب والحمد للہ علی انعامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ مندرجۂ بالا کتب جامع مسجد بمبئی کے کتبخانہ میں ہیں،

(۴) حاشیہ علی شرح جامی للعلوی۔ ابتدا میں ایک صفحہ کا مقدمہ ہے، اور پھر اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے، قولہ الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ. اختلف عبارتہم. فی تعریف الحمد کل ۸۴ صفحے ہیں متوسط تقطیع، اور آخر میں ہے، کہ قد تم ھذہ الحاشیۃ الشریفۃ لمولانا........ وجیہ الدین علی شرح مولانا عبدالرحمن جامی للکافیہ فی التاریخ السابع والعشرین (العشرین) من شعبان المعظم فی سنہ الواحد والثمانین والف علی ید احقر عباد اللہ محمد بیت اللہ بن عبد العزیز عفی اللہ عنہ اللطیف

(۵) رسالۃ ترتیب ارکان الصلوٰۃ للعلوی، چند اوراق عربی زبان میں ہیں، کتاب کا منشا، نام سے ظاہر ہے، یہ دونوں کتابیں بمبئی کے مشہور کوکنی فاضل جناب یوسف کھٹکھٹے صاحب بی اے کے ذاتی کتبخانہ میں ہیں، اور آخر الذکر کا دوسرا نسخہ بھروچ میں جناب قاضی نور الدین صاحب کے کتبخانہ میں بھی ہے، مگر آخر سے ناقص ہے،

(۶) وافیہ شرح کافیہ،۔ ناقص از ابتدا، و وسط، قاضی صاحب مذکور کے کتب خانہ میں ہے تقطیع متوسط اور کرم خوردہ ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے، کاتبہ ولد اللہ حامد بن شاہ وجیہ الدین علوی،

(۷) رسالۃ توضیحی فی الھیئۃ فارسی اس کتاب پر حضرت شاہ علوی کا حاشیہ ہے، مختلف نقشے بھی ہیئت کے ہیں، بالکل بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، بس تبرک ہی تبرک ہے یہ بھی قاضی صاحب موصوف کے حصہ میں آیا ہے،

(۸) حواشی علی المنھل للعلوی، اسکے ابتدا میں ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم قولہ مورد ھا ومصدرھا، اور اوسکے آخر میں ہے، ولیس ھذا یفید الجمع وانما ھو بیان لا اطلاق ای اطلاق الجمع، کل صفحے ۹ ہیں خط نسخ ہے، تقطیع ۱۲/۷ فی صفحہ ۱۷ سطریں ہیں، بمبئی کے مشہور خاندان جمال الدین قطب و محمد سعید قطب کے ذاتی کتبخانہ میں یہ موجود ہے،

(۹) حاشیہ علی شرح وقایۃ العلوی:۔ ضخیم کتاب ہے، متوسط تقطیع خط نستعلیق خوشخط ہے تقریباً چھ سو صفحات ہونگے، درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب اول آخر سے ناقص ہے،

(۱۰) شرح شواھد المنھل ناقص از اول،

تلخیص و تبصرہ

"ترکی اور مصر مین تعلیم جدید کی تحریک"

رسالہ "مسلم ورلڈ" امریکہ کے تازہ نمبر مین ایک مقالہ مذکورۂ بالا عنوان سے نکلا ہے، جو ہم مسلمانون کے غور کے لائق ہے، اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:

"عربی تمدن کو از سر نو زندہ کرنے اور اُسے زمانۂ حال کے مطابق بنانے کی خواہش نیز اُن قریب تر تعلقات نے جو ممالک اسلامیہ اور مغربی معاشرت و خیالات کے درمیان قائم ہوگئے ہین تمام مشرق قریب کے اسلامی نظام تعلیم مین اہم تبدیلیان پیدا کر دی ہین، مصر اور ترکی اس جدید تحریک مین پیش پیش ہین، لیکن شام، فلسطین، اور عراق پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا ہے، اگرچہ یہ اثر مصر اور ترکی کے اثر سے کسیقدر مختلف ہے، تعجب یہ ہے کہ مغربی تمدن کی خواہش کے ساتھ ساتھ مصر اور ترکی مین دول عظمیٰ کی جانب سے کشیدگی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جاتی ہے، اس امر مین ترکی اور مصر کے کسی قدر مختلف طرز عمل کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ترکی نے ایک جمہوری سلطنت قائم کرلی ہے اور اب وہ ہر چیز کو خالص قومی رکھنا چاہتی ہے، علاوہ برین وہ حقیقۃً یا بہ خیال خود جنگ عظیم کے بعد سے مغربی حکومتون پر اعتماد نہ کرنے کا ایک مزید سبب بھی رکھتی ہے، برخلاف اس کے مصر برطانوی اثر اور ایک بہتر حکومت سے سالون مستفید ہو چکا ہے جس کا اعتراف کامل آزادی کے موجودہ مطالبہ کے باوجود مشاہیر اہل مصر بھی کرتے ہین،

مصر اور ترکی کے تعلیمی نظام مین ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ مصر مین تعلیم کی مذہبی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہین،

البتہ اس مین زمانۂ حال کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھنا چاہتے ہین اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہین کہ دول اسلامیہ مین مصر سب سے آگے ہو اور اس کی مذہبی حیثیت اور تمام حیثیات سے زیادہ نمایان ہو لیکن ترکی مین قومیت زیادہ فروغ حاصل کر رہی ہے اور اسلام وہان دوسرے درجہ پر ہے، مصر کی طرح وہان بھی ہر جدید اور سائنٹفک شے کے حصول کی زبردست خواہش ہے لیکن اُسے ترکی ہونا چاہئے، عربی زبان یا عربی لٹریچر پر اب بہت کم توجہ کیجاتی ہے اگرچہ نصاب تعلیم مین علوم دنیوی کی حیثیت زیادہ نمایان ہے تاہم جمہوریہ کے بچون کے لیے دینیات کا بھی ایک باقاعدہ نصاب ہے، اور مختلف درجون کے لیے درسی کتابین شائع کیجاتی ہین، ذیل مین چند اقتباسات ان کتابون کے درج ہین جو ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ کے لیے جون ۱۹۲۸ء مین وزیر تعلیم کے تعلیمی کمیشن نے منظور کی ہین:-

"اسلام مین مذہب عیسوی کے پادریون کی طرح مخصوص مقرر شدہ پیشوا نہین ہین، ہر شخص برابر ہے، ہر مسلمان جو امام کے فرائض ادا کرسکتا ہے نماز پڑھا سکتا ہے، عیسائیت مین ایسا نہین ہے، اگر کوئی پادری نہ ہو تو عیسائی عبادت نہین کرسکتے"

مذہبی اور قومی ایمان کی تعریف یون کیگئی ہے:-

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے، جنھون نے ہمکو اسلام کی تعلیم دی، ہم اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہین، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات کو اور ہمکو پیدا کیا قدیر ہے ہم پورے طور سے یہ نہین جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے، . . . . . بچو تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگون مین اتحاد پیدا کرتا ہے اور اُن کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ پیغمبر صلعم اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہین، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہین، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی کرتا جائیگا، اور ہمیشہ دشمنون پر فتحیاب ہوگا، جسوقت ترک کا نام لیا جاتا ہے میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے، اور میرا سر بلند ہو جاتا ہے، مین اُن لوگون سے محبت کرتا ہون جو میری قوم اور میرے ملک کے لیے مفید ہین، جو میرے محبوب ملک کو

نقصان پہنچاتے ہین، اُن سے مجھے مطلق محبت نہین ہے۔"

مذہب کی تعریف ان الفاظ مین کیگئی ہے:-

"ذیل کے دو جملون سے مذہب اسلام کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اسلام کے معنی ہین، خدا ایک ہے، خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہین ہے اور محمد صلعم خدا کے پیغمبر ہین، جو لوگ ان الفاظ کے معنی پر ایمان رکھتے ہین وہ مسلمان ہین، بچو تم دیکھتے ہو کہ اسلام سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ سچا مذہب ہے، مسلمانون کی مقدس کتاب قرآن ہے، اس کتاب مین اللہ تعالیٰ کے احکام لکھے ہوئے ہین، ہم قرآن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہین، یہ وہ مقدس کتاب ہے جو ہمکو اخلاق کی تمام خوبیان سکھاتی ہے۔"

مصر مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ اسلامی تعلیم کی قدیم اور جدید شکلون کی کشمکش ہے، کیونکہ یہان بھی اسلامی تعلیم کی تاریخ مین ہمیشہ رہا ہے مذہبی عنصر غالب ہے، قدیم نظامِ تعلیم مین قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تعلیم قرآن کے ساتھ فقہ بھی شامل تھی، جسکی بنیاد زیادہ تر قرآن اور حدیث پر ہے، اس کے علاوہ نصاب مین عربی ادب کی ناقدانہ تعلیم بھی داخل تھی، وقتاً فوقتاً اصلاح کی کوششین ہوتی رہی ہین، جیسا کہ سید رشید رضا اور دوسرون کی [..] سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اس وقت تک قدامت پرست حلقون کی طرف سے بنیادی تبدیلیون کی سختی سے مخالفت [..] اس قسم کی مذہبی بنیاد کی موجودگی مین کوئی تعجب نہین کہ قرآن اور حدیث کے جدید ناقدانہ مطالعہ نے کسی قدر حیرت خیز انقلابات پیدا کر دیئے ہین، جدید تنقیدات کے علاوہ اور اسباب بھی کارفرما تھے، جامع ازہر کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان طلبہ کے مقابلہ مین جو مصر کی سرکاری یونیورسٹی یا یورپ کے ملکون مین تعلیم حاصل کرتے تھے ملازمتین نہین ملتی تھین، یہ امر دلچسپی سے خالی نہین کہ اصلاح کا موجودہ مطالبہ خود طلبائے ازہر کی جانب سے ہوا ہے، حالانکہ جب یہ اصلاحات محمد عبدہ اور اُنکی جماعت نے پیش کی تھین تو انھین طلبہ نے خصوصیت کیساتھ انکی مخالفت کی تھی،

جامع ازہر کی تعمیر ۹۷۰ء مین چوتھے فاطمی خلیفہ کے دورِ حکومت مین ہوئی تھی، اس مین ایک عام کتبخانہ ہے جو "مرکزی کتبخانہ ازہر" کے نام سے مشہور ہے، یہ ۱۸۹۷ء مین قائم ہوا تھا اور اس مین (۵۰۹۷۴) مطبوعہ اور قلمی کتابین

ہین، اس مرکزی کتبخانہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کتبخانے اور بھی ہین، علاوہ برین (۸۰۰۰) سے زیادہ کتابون کا ایک ترکی ذخیرہ ہے، شام اور شمالی مصر کے بھی دو ذخیرے ہین جنمین سے شمالی مصر کی کتابون مین زیادہ تر قدیم مخطوطات ہین، اساتذہ کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان ہے اور طلبہ کا شمار دس اور بارہ ہزار کے درمیان، ان مین زیادہ تعداد مصریون کی ہے، باقی شام، ترکی، افریقہ، افغانستان، عراق، بورنیو، ہندوستان، جاوا، ایران، اور دوسری چھوٹی چھوٹی اسلامی جماعتون سے آئے ہین، جامعہ کا ایک شیخ اور ایک مددگار شیخ ہے، ان کے علاوہ بارہ ارکین کی ایک مجلس انتظامیہ بھی ہے جس کا صدر شیخ الجامعہ ہوتا ہے، ازہر کے علاوہ اسی قسم کے تعلیمی ادارے اسکندریہ، طنطا، اسیوط، دمیاط اور زقازیق مین بھی ہین، مسجدون مین جو مدرسے ہین انکی تعداد نہایت کثیر ہے اور ایسے مدرسے صرف شہرون ہی مین نہین ہین بلکہ اکثر دیہاتون مین بھی ہین،

دوسرا بڑا تعلیمی نظام مصری حکومت کا ہے، اس مین وزارتِ تعلیم کے ماتحت جدید طرز کے حسب ذیل ادارے شامل ہین: مردون اور عورتون کے لیے ابتدائی ٹرننگ کالج، لڑکون اور لڑکیون کے لیے ابتدائی اور ثانوی مدارس، مدرسۂ قانون۔ مدارس زراعت، تجارت، انجینیرنگ، طب و دواسازی، مردون اور عورتون کے لیے ایک بڑا ٹرننگ کالج، شیوخ کی تعلیم کے لیے ایک دار العلوم، ان کے علاوہ قاہرہ، اسکندریہ اور دوسرے بڑے شہرون مین صنعتی، حرفتی، اور تجارتی مدارس بھی ہین،

غرض مصر مین دو نظامِ تعلیم قدیم اور جدید ساتھ ساتھ جاری ہین، مغربی اثر کی روز افزون ترقی کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ یہ صورتِ حال ہمیشہ قائم رہتی اور بالآخر جامع ازہر کے طلبہ نے اصلاحات کا مطالبہ کیا، انھون نے حکومت کے سامنے اپنے معاملات کو پیش کرنے کے لیے متعدد وفود بھیجے، افسرانِ حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ انھون نے طلبہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، محمد خالد حسنین بے نے جو محکمۂ اداراتِ مذہبی سے تعلق رکھتے ہین ۱۹۲۵ء مین نہایت احتیاط کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کیا، انھون نے شروع ہی مین تعلیم کے مذہبی پہلوون مین مداخلت نہین کی، وہ صرف جامعہ کے طرزِ معاشرت مین ضروری اصلاحات کرنا، نصاب کے سائنٹفک حصہ کو

تقویت دینا، اور جامع ازہر کے نصاب تعلیم کو سرکاری مدرسون کے نصاب کے برابر کر دینا چاہتے تھے،

اگست اور ستمبر ۱۹۲۸ء مین جامع ازہر کی اصلاحات پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی قاہرہ مین بیٹھی تھی اسکی یہ تجویز رائے تھی کہ اس کے معیار کو مذہبی اور علمی دونون حیثیتون سے زیادہ بلند کرنا چاہئے، تاکہ نہ صرف مصر بلکہ تمام دنیائے اسلام مین اس کا اثر وسیع تر ہو جائے، اس مقصد کے حصول کے لیے کمیٹی نے شرائط ذیل کا پورا ہونا ضروری قرار دیا،

اصول و قوانین مذہب کی تحصیل اُسی طریقہ سے کیجائے جسطرح اسلام کے عہد زرین مین کی جاتی تھی

عربی زبان اور اس کے قواعد کی تعلیم مین جو قدیم طریقے مستعمل ہین وہ اگر بالکل چھوڑ نہ دیے جائین تو کم سے کم ان مین بنیادی ترمیم ضرور کر دیجائے اور اُن کے بجائے ایک جدید طریقہ سائنٹفک اصول پر رائج کیا جائے

نصاب مین دینیات اور عربی زبان کی تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ ہونی چاہئے لیکن وہ مضامین بھی داخل کرنے جائین جو وزارت تعلیم نے تمام ملک کے ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تجویز کئے ہین، اگر ایسے نصاب پر عمل کیا گیا تو جامع ازہر کے طلبہ کی منفرد اور جداگانہ حیثیت باقی نہ رہیگی جیسا کہ اتنی مدت تک رہی ہے بلکہ وہ آزادی کے ساتھ مصر کے تعلیم یافتہ طبقہ مین شامل ہو سکین گے، اور جدید عالم اسلامی کے مذہب اور تمدن کی مدد مین بیش قیمت حصہ لے سکین گے، مسجدون مین جو مدرسے ہین اُن کا نصاب بھی بالکل سرکاری مدرسون کے نصاب کے مطابق ہونا چاہئے، البتہ اس مین دینیات اور عربی زبان کی مزید تعلیم بھی شامل ہو،

لیکن جامع ازہر کی موجودہ تحریک کے خلاف اب بھی مصر مین بہت کافی مخالفت ہو رہی ہے، دونون طرف کتابین اور رسالے شائع کئے جا رہے ہین اور ہفتہ وار اور روزانہ اخبارون مین مضامین نکلتے رہتے ہین،

مختصر نویسی کی مختصر تاریخ

مختصر نویسی کا ذکر اول اول ۴۰۰ قبل مسیح مین رومن شاعر کوئنٹس انیس کے سلسلہ مین آتا ہے جس نے زود نویسی کیلئے گیارہ سو علامتون کا ایک جدید طریقہ تحریر ایجاد کیا تھا، حضرت عیسیٰ سے کئی سو برس پہلے عبرانیون نیز ایرانیون مین الفاظ کو مختصر

کرنیکا کوئی طریقہ رائج تھا، لیکن اس بات کی کوئی شہادت موجود نہین کہ مختصر نویسی کیلئے خاص حروف یا دوسری مخصوص علامتین استعمال کی جاتی تھین،

مختصر نویسی کے استعمال کی پہلی متین اور یقینی شہادت پلوٹارک کے بیان سے ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے، کہ کیٹیلائنا کی سازش پر جو مباحثہ رومن سینٹ مین ۶۳ ق م مین ہوا تھا، اسمین سسرو کی مشہور تقریر مختصر نویسی ہی کے ذریعہ قلمبند کیگئی تھی

مختصر نویسی کے طریقہ کا موجد سسرو کا آزاد کردہ غلام ٹائرو تھا، اس زمانہ کے بہتیرے غلامون کی طرح وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، آزادی حاصل کرنیکے بعد وہ سسرو کا سکرٹری اور معتمد ہو گیا، ان دنون مختصر نویسی کیلئے چھوٹی چھوٹی تختیان استعمال کیجاتی تھین جن پر موم کی ایک تہ ہوتی تھی، اِن مومی تختیون کے حاشیے اٹھے ہوتے تھے، (جیسے سلیٹ کا چوکھٹا ہوتا ہے)، تاکہ بند کرنے پر تحریر کو نقصان نہ پہنچ سکے، یہ تختیان گوشون پر تار کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے بندھی ہوتی تھین، اور کتاب کی طرح باندھی جاسکتی تھین، جس کتاب مین دو ہی تختیان ہوتی تھین اوسے ڈپلوما (DIPLOMA) کہتے تھے، سرکاری ملازمون پر تقرر کا پروانہ اسی شکل مین دیا جاتا تھا، لکھنے کیلئے جو قلم استعمال کیا جاتا تھا اوسکی نوک ہاتھی دانت یا لوہے کی ہوتی تھی اور دوسرا سرا چپٹا ہوتا تھا تاکہ اگر اوس تختی پر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہو تو حروف مٹا کر موم پھر برابر کر دی جائے،

مختصر نویسی کا ذکر سسرو، ہوریس، لیوی، اووِڈ، مارشل، پلینی، ٹیٹیس، اور سوٹونیس کی تصانیف مین ملتا ہے، سسرو خود ایک مختصر نویس تھا، جیسا کہ وہ اٹیکس کو لکھتا ہے:-

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ مین نے ان دس نائبون کے متعلق تمکو لکھا تھا، اوسے تم نے سمجھا نہین کیونکہ مین نے تمھین مختصر نویسی مین لکھا تھا، جولیس سیزر بھی مختصر نویس تھا، شاعر اووڈ اس کے متعلق لکھتا ہے "اُن علامات کے ذریعہ سے راز کی باتین سمندر پار دور دراز مقامات پر پہنچتی تھین"

قدیم مسیحی کلیسا کے عروج کے ساتھ ساتھ ٹائرو کے قواعد مختصر نویسی مین بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، یہ فن "اہل ایمان" کے لئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا، لیکن اوسکو سیکھنا اب کہین زیادہ مشکل ہو گیا، حال کے بعض مورخین نے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جو خطبہ کوہ زیتون پر دیا تھا، اوسے لوقا نے مختصر نویسی مین قلمبند کیا تھا، اور پولوس نے کلیسیون کو جو خطوط بھیجے تھے، وہ

مختصر نویسون کو لکھا دیتے تھے، انٹا کین دس مختصر نویسون سے کام لیتا تھا،

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیون مین مختصر نویسی کا رواج کثرت سے تھا، اور اس فن کی ضرورت عام طور پر محسوس کیجاتی تھی چنانچہ انٹائین کا بیان ہے کہ ایک بار رومہ کے مختصر نویسون نے اسٹرائک کردی اور بالآخر اپنے مطالبات کو حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے لیکن جب سلطنت رومہ کا زوال شروع ہوا تو اس فن کی مقبولیت بھی کم ہونے لگی، چنانچہ شہنشاہ جسٹنین نے سرکاری کاغذات کے لئے اس طریقہ تحریر کو ممنوع کردیا، بعد مین فریڈرک ثانی نے مختصر نویسی کے تمام حروف کو ساحرانہ اور شیطانی قرار دیکر نست و نابود کر دینے کا حکم نافذ کیا، پھر قرون مظلمہ کا دور آیا اور قریبًا ایک ہزار سال تک تمام علوم فنون دنیا ء عیسائی دنیا سے غائب رہے

اسکے بعد نشاۃ جدیدہ کا زمانہ آیا اور مختصر نویسی کے احیاء کا اظہار اول اول اٹلی کے مشہور مصلح سیو نارولا کی تقریرون سے ہوا جن کو ایک قسم کے مختصر طرز تحریر مین لارنزو وایولا نے قلم بند کیا تھا،

دور جدید مین مختصر نویسی کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹموتھی برائٹ نے رائج کیا، ۱۵۸۸ء مین اونھون نے اس موضوع پر ایک کتاب لندن مین شائع کی جس کا عنوان تھا "کیرکٹری، مختصر تیز اور مخفی تحریر کا فن" فن مختصر نویسی کے بہت سے نام رکھے گئے گر کوئی مقبول نہین ہوا بجائے اسکے براکیگریفی (BRANCHYGRAPHY) ٹیکیگریفی (TUGHYGRAPHY) سٹینوگریفی اور بہت سے دوسرے نام بدلے گئے،

برائٹ کا طریقہ تحریر بالکل بے قاعدہ تھا، اسمین صرف علامتون کی تفصیل تھی، جو الفاظ کے بجائے استعمال کیجاتی تھین، حروف تہجی کے ساتھ سب سے پہلے جان ولس نے مختصر نویسی کا ایک طریقہ ۱۶۰۲ء مین شائع کیا، اسکے بعد سے اس فن مین مسلسل ترقی ہوتی رہی، اور آیندہ ڈیڑھ صدی مین اسکے دو سو سے زیادہ طریقے شائع ہو گئے، ۱۸۳۷ء مین آئزک پٹمین نے سٹنوگرافک ساونڈ ہینڈ (STENOGRAPHIC SOUND HAND) کے نام سے ایک طریقہ شائع کیا، جو ۱۸۴۰ء مین تجدید کے بعد فونوگریفی کے عنوان سے چھپا، ۱۸۸۸ء مین جان رابرٹ گرگ نے لائٹ لائن فونوگریفی (LIGHTLINEPHONOGRAPHY) شائع کی، اور اسمین آواز کا اصول اختیار کیا، اگرچہ مختصر نویسی کے فن مین ۱۸۸۸ء کے بعد سے کچھ ترقی ہوئی ہے تاہم اس کے خاص خاص اصول بدستور قائم ہین،

"ع ز" "...تیمین"

اخبار علمیہ

سنہ ۱۹۳۲ء مین انگریز خواتین کے کارنامے

موجودہ مغربی تہذیب کی ایک نمایان خصوصیت یہ ہے کہ معاشرت کے ہر شعبہ مین عورتین مردون کے دوش بدوش نظر آرہی ہین اور اب تک جو امتیازات مردون کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے ان مین عورتین بھی برابر کی شریک ہوتی جاتی ہین، چنانچہ گذشتہ سال انگریز خواتین نے مردون کے مقابلہ مین جو کارنامے دکھائے ہین انکی مختصر فہرست حسب ذیل ہے :-

مسز مولیسن (Mrs. Mollison) کا ہوائی سفر انگلستان سے راس امید (افریقہ) تک اور پھر راس امید سے انگلستان تک ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے فن ہوا بازی کے تمام پیشتر کارنامون کو شکست دیدی ہے،

مس امیلیا ایرہارٹ (Miss Amelia Earhart) پہلی خاتون ہین جنھون نے تنہا بحر اوقیانوس کو ایک طیارہ پر عبور کیا اور نیوفاونڈلینڈ سے آئرلینڈ تک کا سفر صرف ساڑھے تیرہ گھنٹون مین طے کیا، ان سے پہلے دو آدمی اور اس بحر اعظم کو عبور کر چکے تھے، لیکن پرواز سب سے زیادہ تیز انہی کی تھی،

ماسٹر آف سرجری کی ڈگری طب کی اعلیٰ ترین ڈگریون مین ہے، انگلستان مین ابتک صرف چھ عورتون نے یہ ڈگری حاصل کی ہے، اسی طرح ایف - آر - سی - ایس کی ڈگری بھی ایک نہایت اعلیٰ ڈگری ہے جو بہت کم لوگون کو ملتی ہے، لیکن مسز فلپا مارٹن (Mrs. Philippa Martin) نے یہ دونون ڈگریان پہلے ہی امتحان مین حاصل کرلین، یہ وہ امتیاز ہے جو آج تک کسی عورت کو نصیب نہ ہوا تھا،

ایک دوسری خاتون مسز ہیرسین (Mrs Harrison) نے چیرنگ کراس ہسپتال کے میڈیکل اسکول مین جو انگلستان کے مشہور طبی ادارون مین ہے، دس اول انعامات حاصل کئے،

مس اڈیتھ باتھرسٹ (Miss Edith Bathurst) پہلی خاتون ہین جنکو لندن یونیورسٹی کی ڈاکٹر آف میوزک کی ڈگری عطا ہوئی،

موٹرون کی دوڑ مین اول انعام دو عورتون مس وزڈم (Miss Wisdom) اور مس رچمنڈ (Miss Richmond) کو ملا، یہ دوڑ ایک ہزار میل کی تھی اور اس مقابلہ مین بہت سے مرد شریک تھے، ان عورتون کے موٹر کی اوسط رفتار ۴۸ میل فی گھنٹہ تھی،

علمی میدان مین سب سے ممتاز کارنامہ مس باربرا فلاور (Miss Barbara Flower) کا تھا، انکی عمر صرف بیس سال ہے اور یہ آکسفورڈ مین تعلیم پاتی ہین، یہ پہلی خاتون ہین جنھون نے کریون اسکالرشپ (Craven Scholarship) حاصل کیا، یہ انعام لاطینی اور یونانی زبانون کی اعلیٰ ترین استعداد پر دیا جاتا ہے اور مس فلاور سے پہلے صرف ایک ہی عورت نے اس کے لیے مقابلہ کرنے کی ہمت کی تھی، "ع ز"

ریڈیم اور جراثیم

ایک مشہور جرمن ڈاکٹر نے یہ ثابت کیا ہے کہ جن جراثیم سے امراض پیدا ہوتے ہین ان کے توالد و تناسل پر ریڈیم کا نہایت مہلک اثر پڑتا ہے، چنانچہ اس نے خون مین سمیت پیدا کرنے والے اور پیپ پیدا کرنے والے جراثیم سے بہت سے بچے تیار کئے اور سب کو ایک ایسے مادے مین ڈبو دیا جس مین ریڈیم کی نہایت قوی شعاعین پڑ رہی تھین، نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنون مین وہ سب بچے بانجھ ہو کر رہ گئے،

خون کی جدید قسمین

اطباء کے نزدیک خون کی چار قسمین مشہور ہین، اس لیے اگر ایک انسان کے جسم کا خون دوسرے انسان کے جسم مین پہنچانا چاہین تو پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ دونون ایک ہی قسم کے ہین، ورنہ اس سے بڑا ضرر پہنچیگا،

اب ایک ڈاکٹر نے خون کی دو اور قسمین دریافت کی ہین اور اس اکتشاف سے اجسام انسانی مین خون کے پہنچانے کا طریقہ زیادہ کامیاب ہو گیا ہے،

پھولون کا اثر صحت پر

بہت سی عورتین رات کو اپنے سونے کے کمرے مین پھول رکھ لیتی ہین، لیکن بہت سے واقعات ایسے رونما ہوئے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پھولون سے بالخصوص جب کمرہ چھوٹا ہو اور اس مین بہت سے سونے والے ہون سمیت پیدا ہو جاتی ہے، اور زیادہ تر اس کا اثر بچون پر پڑتا ہے، اس لیے سونے کے وقت عورتون کو اپنے کمرون مین پھول نہین رکھنا چاہیے،

تنوع اغذیہ کا اثر دانتون پر

وحشیون کے دانت متمدن قومون کے دانتون سے بہتر ہوتے ہین اور انسان تمدن مین جسقدر ترقی کرے گا، اس کو دانتون کی حفاظت کی ضرورت زیادہ ہو گی، لیکن موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ دانتون کے ضعف کا سب سے بڑا سبب مختلف قسم کی غذائین ہین، بعض اطباء کے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے کہ نباتاتی غذائین یا اس کے برعکس لحمی غذائین دانتون کے لیے بہتر ہوتی ہین، چنانچہ قبیلۂ اسکیمو کے لوگ زیادہ تر گوشت کھاتے ہین، حالانکہ ان کے دانت بہتر حالت مین ہین، اسی طرح جو لوگ سبزی پر اکتفا کرتے ہین اُن کے دانت بھی عمدہ حالت مین پائے جاتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس غذا کی نوعیت کا اثر دانتون پر تنوع اغذیہ سے کم پڑتا ہے، بالخصوص بچون اور نابالغون کے دانتون پر بالغ لوگون سے زیادہ اسکا اثر پڑتا ہے،

سفید و سیاہ رنگ کے کپڑون کا اثر سردی و گرمی پر

سفید رنگ کا یہ اثر ہے کہ وہ سورج کی شعاعون کو منعکس کر دیتا ہے، اس لیے سفید کپڑے ان شعاعون کو منعکس کر دیتے ہین اور ان کو جسم تک نہین پہنچنے دیتے، اسی لیے لوگ گرمیون مین سفید کپڑے پہنتے ہین،

تاکہ سورج کی گرمی سے محفوظ رہین، لیکن سیاہ رنگ سورج کی شعاعون کو جذب کرلیتا ہے، اس لئے لوگ جاڑے مین سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہین تاکہ اُن کے ذریعہ سے جسم تک سورج کی شعاعون کا اثر پہنچ سکے،

جوتون مین برقی روشنی

امریکہ مین جوتون کے بعض کارخانون نے ایک قسم کے جوتے ایجاد کئے ہین، جنھین بجلی کی بیٹری ہوتی ہے، اور ان مین ایک برقی بٹن لگا رہتا ہے، جس کے دبانے سے روشنی ہوجاتی ہے، اور انسان اندھیرے مین بآسانی چل سکتا ہے،

جانورون کی تہذیب

افریقہ مین مختلف قسم کے جانور ہین، جو پانی پینے کے لیے آتے ہین تو باہم ایک دوسرے کے انتظار مین نہایت سکون و متانت کے ساتھ کھڑے رہتے ہین، اور باہم پانی پینے کے لیے کوئی کشمکش نہین کرتے بلکہ ہر ایک دوسرے کو اپنے سے پہلے پانی پینے کا موقع دیتا ہے،

نیند کا سبب

نیند کا سبب ہمیشہ ایک دقیق علمی مسئلہ خیال کیا گیا ہے، لیکن ایک امریکن عالم کا جدید نظریہ یہ ہے کہ جسم کے عضلات ڈھیلے پڑجاتے ہین، اسلئے جو اشارات ان کے ذریعہ سے دماغ تک پہنچتے رہتے ہین وہ بالکل بند ہوجاتے ہین اور چونکہ یہی اشارات دماغ کو بیدار رکھتے ہین، اسلئے اب دماغ بیدار نہین رہ سکتا، تجربات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جسم کے عضلات بتدریج ڈھیلے ہوتے جاتے ہین یہانتک کہ رات کے ہونے تک بالکل ڈھیلے پڑجاتے ہین، یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ عضلات جس قدر کم ڈھیلے ہوتے ہین اسی قدر جسم کی حرارت زیادہ ہوتی ہے، اور جس قدر زیادہ ڈھیلے ہوتے ہین اسی قدر یہ حرارت کم ہوتی ہے،

"ع"

ادبیات

ترانۂ شعراء

از جناب اسد ملتانی بی اے

عاشقی کا فسانہ ہین ہم لوگ / زندگی کا ترانہ ہین ہم لوگ

روح کے سازِ غیر فانی کا / نغمۂ عاشقانہ ہین ہم لوگ

حُسن کے نورِ جاودانی کا / جلوۂ دلبرانہ ہین ہم لوگ

بولنا چاہتے ہین عشق اور حُسن / گفتگو کا بہانہ ہین ہم لوگ

طور کا واقعہ سُنا ہوگا / اُسکا اک شاخسانہ ہین ہم لوگ

روحِ خوابیدہ کے جگانے کو / غیب کا تازیانہ ہین ہم لوگ

زلفِ جان کو سنوارنے کیلئے / دستِ قدرت مین شانہ ہین ہم لوگ

نور اپنا ہے دوسرون کیلئے / شمعِ بیرون خانہ ہین ہم لوگ

چل رہے ہین مگر نہین معلوم / کس طرف کو روانہ ہین ہم لوگ

مست رہ کر بھی رنگِ عالم کو / دیکھتے عارفانہ ہین ہم لوگ

ہوش افراط و بیخودی تفریط / حالتِ درمیانہ ہین ہم لوگ

آگہی ہے ہماری بے خبری / معرفت کا خزانہ ہین ہم لوگ

روحِ اسرارِ دین و ایمان کی — صورتِ کافرانہ ہین ہم لوگ

دیکھ لو اس مین صورتین اپنی — ایک آئینہ خانہ ہین ہم لوگ

اس لیے ہم شکار ہوتے ہین — واقفِ دام و دانہ ہین ہم لوگ

تیر کیسا؟ کمان کا تیر انداز؟ — آپ اپنا نشانہ ہین ہم لوگ

سب سے بیگانہ اور سب کے دوست — اس روش مین یگانہ ہین ہم لوگ

جانتے جبۂ فقیری کو — خلعتِ خسروانہ ہین ہم لوگ

کبھی پیرانِ پارسا کیساتھ — شاملِ پنجگانہ ہین ہم لوگ

کبھی خوبانِ خوشنوا کیساتھ — محوِ چنگ و چغانہ ہین ہم لوگ

باوجودِ کمالِ رسوائی — نازشِ ہر زمانہ ہین ہم لوگ

برق حسرت سے دیکھتی ہے ہمین — کہکشانِ آشیانہ ہین ہم لوگ

کیون نہ سجدے کرے جبینِ خیال — آسمان آستانہ ہین ہم لوگ

کون اثر ہم کو بھول سکتا ہے؟

"یادگارِ زمانہ ہین ہم لوگ"

راحت کدہ

از جناب اثر صہبائی، بی اے ال ال بی،

جناب اثر نے راحت کدہ کے عنوان سے پر اثر نظمون کا ایک مجموعہ ترتیب دینا چاہا ہے، جو حقیقت مین راحت کدہ کے بجائے غمکدہ ہے، راحت، شاعر کی رفیقۂ حیات کا نام تھا جس نے افسوس کہ داغِ مفارقت دیا، شاعر کے اسی المناک ترانۂ غم کا نام راحت کدہ ہے، انھین مسلسل

آنسوؤن کے دو قطرے، ذیل کی یہ دو نظمین ہین،

"اڈیٹر"

۱

لب پر آئے ترے نہین نہ کہین — ٹوٹ جائے دلِ حزین نہ کہین

چارۂ دردِ زندگی نہ ہوا — اک خلش سی رہی کہین نہ کہین

آشنا ہو کے آستان سے ترے — پھر کبھی جھک سکی جبین نہ کہین

ڈر رہا ہون کہ اس کی باتون پر — دل کو آجائے پھر یقین نہ کہین

اے اثر میرے رختِ ہستی کو!

پھونک دے آہِ آتشین نہ کہین

———•———

۲

یہ سلسلۂ حیات کیا ہے! — یہ غم کی طویل رات کیا ہے!

آغوشِ فنا مین ہے ہر اک شے — یہ محفلِ بے ثبات کیا ہے!

دل بیٹھ نہ جائے بارِ غم سے — بیچارے کی کائنات کیا ہے!

ہے چپ سی لگی ہوئی اثر کو،

معلوم نہین کہ بات کیا ہے!

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت:- عہ "منیجر"

مطبوعات جدیدہ

خاتم النبیین، (حصہ دوم) از جناب صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، ناشر منیجر بکڈپو، تالیف و اشاعت، قادیان، (پنجاب)، ۵۶۴ صفحات، جلد خوبصورت، قیمت درج نہین،

"خاتم النبیین" قادیان کی جماعت احمدیہ کی جانب سے آنحضرت صلعم کی سیرت مین شائع ہوئی ہے، اسکا حصہ دوم زیر نظر ہے، جس مین آپکی مدنی زندگی ۵ھ تک پیش کیگئی ہے، کتاب کا نمایان وصف مستشرقین اور غیر مسلم مورخین کے اعتراضات کا رد ہے،

اگرچہ مؤلف نے کتاب مین اپنے کو محض ایک مورخ کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے غیر مسلم مورخین کے جوابات دیئے ہین، تاہم بعض موقعون پر اس آزاد نگاری کے ادعا کے باوجود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی خاص نوع کے جماعتی (قادیانی) اقوال و عقائد سے جکڑا ہوا ہے، اور وہ واقعات کو کھینچ تان کر اشارۃً اونہی جماعتی عقائد و خیالات پر لانا چاہتا ہے، مثلاً دورِ حاضر مین اسلامی غلامی کو بھی ناجائز بتانا، یا حضرت عائشہؓ کی اس روایت مین جسمین انھون نے اپنے نکاح اور رخصتی کے وقت کی عمر بتائی ہے، ان کے اندازہ کی غلطی بتانا، یا مثلاً حضرت زینبؓ کے آسمان پر نکاح پڑھائے جانے "کا" امکان "تسلیم کرکے اس امکان کے وقوع پذیر ہونے کی تردید کرنا، یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ہین، جنکا بیان استقصاءً مقصود نہین، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ کتاب محنت اور کوشش سے لکھی گئی ہے، اس کا افسوس ہے کہ صحابۂ کرام کے نامون کے لینے مین بالعموم وہ ادب ملحوظ نہین رکھا گیا ہے، جو اسلامی طرزِ تحریر مین رائج ہے،

دی فلاسفی آف اسلام، (انگریزی) از جناب خانصاحب خواجہ خان، بی اے، نمبر ۹۹

خانجہان روڈ، رائے پیٹہ مدراس، حجم ۱۲۰ صفحے، قیمت ۸؍

یہ اسلامی تصوف کا ایک مختصر مرقع ہے، جو ۱۹۰۳ء مین اس زمانہ مین شائع ہوا تھا جب سر سید احمد خان کے مذہبی خیالات ملک مین نشو و نما پاچکے تھے، اب اس کا دوسرا اڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے، مصنف نے اس مین دکھایا ہے کہ اسلامی تصوّف کو جس رنگ مین پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جو مظاہر نظر آتے ہین حقیقۃً انھین صحیح اسلامی تصوّف سے لگاؤ نہین، صحیح اسلامی تصوّف وہی ہو، جو کتاب و سنت مین موجود ہے، مگر وہ علم سفینہ نہین، علم سینہ ہے، جو صحبت ہی کے اثر و فیض سے حاصل ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلعم اسی کو اپنی مجلسون مین صحابۂ کرام تک پہنچاتے، اور دلنشین انداز مین پیش فرماتے تھے، اس کے بعد مصنف نے، اصطلاحی تصوّف، صوفیہ، اور مسائلِ تصوّف کو روشناس کیا ہے، پھر روح اور نفس کی تشریح کے بعد اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت بتاکر اسلام کے ارکان اور اس کے تزکیۂ اخلاق کے اصول کو پیش کیا ہے، اس کے بعد تصوّف کی اجمالی سرگذشت اور اسکے تاریخی ارتقار کو دکھایا ہے، جنمین بعض امور محل نظر معلوم ہوتے ہین، آخر مین متکلمین، فلاسفۂ اسلام اور شوائے تصوّف وغیرہ کے قولون، دلیلون اور کلام سے ذات و صفات وغیرہ کے مسائل کی تشریح کی کوشش کیگئی ہے، کہین کہین فضلائے مغرب کے اقوال و خیالات کو بھی مباحث کی تائید مین دکھایا گیا ہے، جو لوگ یورپ کے جدید فلسفیانہ انداز بیان مین اسلام کے متعلق کچھ دیکھنا چاہتے ہین، ان کیلئے یہ کتاب دلچسپ اور مفید ہے،

بارش اور قرآن، از مولوی طیب علی عبدالرسول، شاکر، جبل پوری، ۶۰۴ صفحے، قیمت ۴؍

پتہ:- جناب احمد علی عبدالرسول نادر، مطبع نادری، جبل پور، (سی پی)

یورپ کے جدید علوم و فنون کی ترقیون سے مرعوب ہو کر مسلمانون مین ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا تھا جو سائنس کے ہر مسئلہ کو قرآن سے مطابق کرنا چاہتا اور کسی نظریہ یا اکتشاف کی اشاعت کے بعد قرآنی آیات سے اس کی تطبیق دینے بیٹھ جاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا کہ ادھر غور و فکر کے بعد بہ ظاہر تطبیق پیدا کی، اور ادھر علمائے سائنس خود اپنے نظریہ کی تغلیط کر بیٹھے، اسی لیے مسلمانون کے سنجیدہ حلقون مین اس گروہ کی یہ کوششین کبھی مستحسن

نہین سمجھی گئین، لیکن زیر تبصرہ رسالہ مین مصنف کی کوششون نے حیرت انگیز طور پر ہماری توجہ اپنی جانب مائل کرلی، مصنف نے اس رسالہ مین بارش کے متعلق جدید سائنٹفک تحقیقات کی قرآن مجید کی آیتون سے مطابقت دکھائی ہے، اور اوّلاً سائنٹفک طور پر مانسون، بخارات اور بارش وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کا متن پیش کیا ہے، اور پھر اسی کے پہلو مین قرآن کی ایسی آیتون کا محض لفظی ترجمہ درج کیا ہے، جس مین بارش، ہوا، اور ابر وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، اور آخر مین بارش کا قرآن مجید مین مختلف موقعون پر استعمال، اور قرآن کا بارش، ابر اور ہوا وغیرہ سے ذات باری تعالیٰ پر استدلال لانا دکھایا ہے، اگرچہ ہمین کہین کہین مصنف کی رائے سے اتفاق نہین ہوا، مثلاً "سحاب مسخر" وغیرہ کی تشریح مین، تاہم رسالہ کے مباحث دیکھنے سے مصنف کے ذہن رسا کی تعریف اور اسکی کوششون کی داد دینی پڑتی ہے، امید ہے کہ وہ اسی انداز مین اپنی تحقیقات کو جاری رکھین گے، جزاﷲ خیرا،

اسلامی تعلیم - از مولوی مفتی سید محمود صاحب، ناشر جناب عزیز حسن بقائی، اڈیٹر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی، ۵۵ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ۔/۶

اس مین اسلام کے عقائد و عبادات وغیرہ کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر لکھے گئے ہین، کتاب کے جواورا ق نظر سے گذرے، اُن مین مسائل کے جوابات کو قرین صواب پایا، تاہم ایک آدھ جگہ فقہ کے عمومی فتوی سے بعض جوابات مختلف نظر آئے مثلاً موجودہ زمانہ کی یہودیہ و نصرانیہ سے نکاح کا جائز نہ ہونا (ص ۴۸) وغیرہ، کتاب کے آخر مین قرآن مجید و احادیث کے مسلسل و مرتب اردو ترجمون سے اسلامی اخلاق کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب متداول فقہی ابواب پر ہے،

الطریقۃ المرضیہ فی التمرینات النحویہ ، از مولوی حکیم محمد احمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظمگڈھ حجم ۲۲ صفحے،

عربی خوان طلبہ کو علم نحو کی مشق کرانے کیلئے یہ مختصر رسالہ ترتیب پایا ہے، مصنف کہنہ مشق مدرس ہین، سالہا سال اس طریقہ تعلیم کا عملی تجربہ کیا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے مفید ہوگا، اور عربی کے ابتدائی طالب العلم اس سے پورا فائدہ اٹھائینگے۔

"ر"

جلد ۳۱ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۳ء | عدد ۴

مضامین